و رتل القراٰن ترتیلًا (القراٰن)

اورقرآن کوخوب نکھار کرخوش الحانی سے پڑھا کر۔

زیّنوا القرآن بِاَصواتِکم(سنن ابی داؤد)

محاسن متن قرآن

اور

آداب تلاوت

[علمِ تجوید،علمِ اوقاف،علمِ قَراءات،علمِ رسم الخط وغیرہ کا تعارف]

قرآن تمہارا محتاج نہیں، پرتم محتاج ہو کہ قرآن کو پڑھو؛ سمجھواورسیکھو!

جبکہ دنیا کے معمولی کاموں کے واسطےتم استاد پکڑتے ہوتو قرآن شریف کے واسطےاستاد کی کیوں ضرورت نہیں۔ بہرحال معلم کی ضرورت ہے۔(المسیح الموعود)

” اصل چیز یہی ہے کہ قرآن کریم سے ایسی محبت ہو کہ اس میں ڈوب کر اسے پڑھا جائے .... اللہ تعالیٰ نے ترتیل سے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ ٹھہر ٹھہر کراور جس حد تک بہترین تلفظ ادا ہوسکتا ہے ادا کر کے پڑھا جائے ....ہاں یہ کوشش ضرور ہونی چاہیے کہ جیسا کہ میں نے کہا کہ اصل کے جتنا قریب ترین ہو کرآسانی سے الفاظ کی ادائیگی ہوسکے کی جائے اور اس میں پھر بہتری پیدا کرنے کی بھی کوشش کی جائے“۔

(حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ۳۱ جولائی ۲۰۱۵)

(عاجز:حافظ برہان محمد خان)

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ
۱	تعارف کتاب: محترم مکرم جمیل الرحمٰن رفیق صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ ربوہ حال وکیل التصنیف	۴
۲	ابتدائیہ: متنِ قرآن کی اکملیت اور اس کی تلاوت کے آداب اور تقاضے۔	۵
	باب اول: متنِ قرآن کو سنوار کر پڑھنے کی اہمیت	۹
۳	اللہ تعالیٰ کا آنحضرت ﷺ کی تلاوت کو شفقت اور انہماک سے سننا، اور ہمارے لئے اسوہ۔	۹
۴	استعدادوں کو بڑھانے کیلئے حضرت خلیفۃ المسیح کی مربیان اور صاحبِ علم لوگوں کو ہدایت	۱۰
۵	ضعیف، کمزور اور ان پڑھ افراد، ور آنحضرت ﷺ کا تعلیم و تدریس کے لئے اساتذہ تیار کرنا۔	۱۲
	باب دوم: علم تجوید اور اس پر عمل	۱۵
۶	قرآنِ شریف کے ظاہر الفاظ اور ترتیب بھی معجزانہ ہے۔	۱۶
۷	معیاری تلاوت سیکھنے کے لئے حروفِ تہجی سے ہی مشق کی ضرورت و اہمیت۔	۱۷
۸	حرکات کی پہچان۔ متحرک حروف والے سبق میں آواز پر ضبط حاصل کرنے کی مشق۔	۲۱
۹	دو دو تین تین حروف (بُا، بِاُ۔ فُعِلَ، فِعَلُ) میں آواز پر ضبط اور رواں پڑھنے کی مشق	۲۲
۱۰	علامتِ سکون اور ساکن حروف درست طریق پر پڑھانے کا فائدہ	۲۳
۱۱	حروف مدّہ حروف لین وغیرہ کو ان کی صفات کے مطابق پڑھانے کی اہمیت۔	۲۴
۱۲	قرآن کی تلاوت لکنت کو دور کرنے اور زبان میں طلاقت پیدا کرنے کا نسخہ ہے۔	۲۶
۱۳	نون ساکن اور نون تنوین کو پڑھنے کے مختلف طریقے۔ اظہار، اخفاء اقلاب اور اخفاءِ شفوی۔	۲۸
۱۴	علامت تشدید اور مشدد حروف کے درست پڑھنے کا طریق اور اہمیت۔	۳۲
۱۵	مدّ زائد: مدّ منفصل، مدّ متصل، مدّ عارض للسکون، مدّ معنوی۔ حروف مقطعات میں مد زائد	۳۳
۱۶	مأمورِ زمانہ کے مقرر کردہ امام الصلوٰۃ حضرت مولوی عبدالکریم کا مصری لہجہ میں تلاوت کرنا۔	۳۵
۱۷	ہمزہ وصلی: اسے پڑھتے ہوئے تینوں حرکات کے استعمال کا موقع محل!	۳۶
۱۸	تنوین سے بدلا ہوا نون (جسے نون قطنی نام دیا جاتا ہے)۔ تنوین کو ہمزہ وصلی کے ساتھ پڑھنا۔	۳۸
۱۹	وقف کے طریق۔ وقف، وقفہ، سکتہ۔ امالہ	۳۹
۲۰	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمدہ تلاوت آپ کی تدریس قرآن کی نگرانی، معیار کا جائزہ لینا۔	۴۲
۲۱	مخارج الحروف۔ ان کی تفصیل۔	۴۴
۲۲	صفات حروف: صفاتِ لازمہ متضادہ و غیر متضادہ۔	۴۶

تعارف

خاکسار نے برادرم مکرم حافظ برہان محمد خان صاحب کی تازہ تالیف محاسن متن قرآن اور آداب تلاوت کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے۔خدا کے فضل سے بڑی محنت اور لگن سے آپ نے یہ کتاب تحریر کی ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء کے ارشادات بھی مناسب مواقع پر موتیوں کی طرح اپنی چمک دکھا رہے ہیں۔قراءات کا معاملہ جو بالعموم بظاہر گنجلک لگتا ہے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اور حضرت مصلح موعودؓ کے فرمودات سے نہایت صفائی کے ساتھ نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔

مؤلف نے کئی مصطلحات بھی درج کی ہیں مگر ان کی وضاحت نہایت سلیس انداز میں کر دی ہے جس سے ایک عام قاری بھی خوب مستفید ہوسکتا ہے۔آپ کو تلاوت قرآن سے گہرا لگاؤ ہے،آپ کی تالیف ترتیل القرآن بھی بہت مقبول ہے۔اس کے علاوہ ایک کتابچہ الطریق بھی آپ نے لکھا ہے جس میں ترجمہ قرآن سیکھنے کے لئے بنیادی اسباق درج ہیں۔

اللہ تعالیٰ مکرم حافظ صاحب کو جزائے خیر دے ان کی اس محنت کو قبول فرمائے اور پڑھنے والوں کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بنائے۔

جمیل الرحمن رفیق

13.10.2015

جمیل الرحمن رفیق

ابتدائیہ

قرآن مجید کی تلاوت کا معیار کیا ہونا چاہیے؟ یہ سوال عامّۃ الناس کے سامنے رکھا جائے تو ہر کوئی اپنی قدر، اپنے مزاج، اپنی سوچ، اور اپنے مذاق کے مطابق مختلف جواب دیگا۔ خدا تعالیٰ نے بھی قرآن پاک کی تلاوت کا حکم دیتے ہوئے موقع اور محل کے مطابق مختلف الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اس کی تلاوت کا اہتمام کرنے اور اس میں مواظبت اور باقاعدگی اختیار کرنے کی طرف توجہ دلانا مقصود ہوا تو فرمایا وَقُرآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودا ﴿بنی اسرائیل:۷۹﴾ یعنی صبح کے وقت قرآن کے پڑھنے کو بھی لازم سمجھ، صبح کے وقت قرآن کا پڑھنا یقیناً اللہ کے حضور میں ایک مقبول عمل ہے۔ اسکی تلاوت کے ساتھ اسکی تعلیم کی اتّباع کی طرف راغب کرنا منشاء ہوا تو الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ ﴿البقرۃ:۱۲۲﴾ کے الفاظ استعمال فرمائے۔ (یعنی وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی اسی طرح پیروی کرتے ہیں جس طرح اسکی پیروی کا حق ہے)۔ مگر کلام جس کا لفظ لفظ اور حرف حرف اللہ کا نازل فرمودہ ہو، جسکے الفاظ اس کے متن میں موتیوں ہیروں کی طرح خوبصورتی سے جڑے ہوں، جس کی ترکیب وترتیب میں ایسی سلاست اور روانی ہو کہ اس کو پڑھتے ہوئے زبان اسے آسانی اور ملائمت سے ادا کرتی چلی جائے۔ جسکی عبارت میں ایسا وزن، صوتی حسن اور نغمگی ہو کہ عام پڑھنے والے کی آواز میں اس کی لگن کے ساتھ تلاوت اور مشق سریلہ پن اور خوبصورتی پیدا کردے۔ اور جس میں بیان فرمودہ مضامین ترغیب وترہیب اور انذار وتبشیر کے گویا نقّارے بجا رہے ہوں۔ اور عظمت وجلالِ الٰہی کے راگ الاپ رہے ہوں۔ اور جس میں معارف ودقائق کے لشکر ایک قادرِ مطلق مالک الکل محتسب کی ہستی کا پتہ دے رہے ہوں۔ اور ایسے اثر انگیز ہوں کہ ایک پاک فطرت، بیدار مغز اور خشیتِ الٰہی رکھنے والے شخص کے قلب و روح کو ہلا کر رکھ دیں۔ ان کے اثر سے اسکے جسم پر کپکپی طاری ہو جائے۔ اس کی جلد اور اس کا

دل آستانۂ الٰہی پر پگھل پگھل جائیں۔ایسے کلام کی تلاوت کے لیے اللہ تعالیٰ کا ایک ہمہ پہلو اور جامع ارشاد بھی ہے چنانچہ فرمایا وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ﴿المزمل:۰۵﴾یعنی اور قرآن کو خوب نکھار کر خوش الحانی سے پڑھا کر۔

اس ارشادِ ربانی میں قرآنِ مجید کی تلاوت کے آداب جامعیت کے ساتھ بیان ہیں۔تفصیل معلوم کرنے کے لیے تفسیر القرآن کے مشہور امام،حضرت امام رازی کی تفسیر پر نظر ڈالتے ہیں۔آپؒ اس ارشادِ باری کی تشریح و وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

قوله تعالیٰ :﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾قال الزجاج: رَتِّلَ القرآن ترتيلًا،بينه تبيينًا،والتبيين لَا يتمّ بِاَن يعجل فى القرآن ،انما يتم باَن يُتبيّن جميع الحروف، و يوفّى حقّهامن الاشباع، قال المبرد:اَصله من قولهم:ثغر رتِل اذا كان بين الثنايا افتراقُ ليس بالكثير، و قال الليثُ: الترتيل تنسيق الشيء، و ثغر رتِل، حسن التنضيد، و رتّلت القرآن ترتيلًا، اذا تمهلت فيهِ و اَحسنتَ تاليفه، و قوله تعالیٰ: ﴿ترتيلًا﴾تاكيد فى ايجاب الامربه، و انه مما لا بد منه للقارىء۔

واعلم اَنه تعالیٰ لمّا امره بصلاة الليل اَمره بترتيل القرآن حتى يتمكّن الخاطر من التّاَمّل فى حقائق تلك الآيات و دقائقها، فعند الوصول الى ذكرالله يستشعرعظمته و جلالته،و عندالوصول اَلى الوعد والوعيد يحصل الرجاء والخوف ،و حينئذٍيستنير القلب بنور معرفة الله، والا سراع فى القرائة يدل علیٰ عدم الوقوف على المعانى، لاَنّ النفس تبتهج بذكر الاُ مور الالٰهية الروحانية، و من ابتهج بشىءٍ اَحبّ ذكره، و من احبّ شيئًالم يمرّ عليه بسرعةٍ، فظهر ان المقصود من الترتيل انما هو حضور القلب و كما ل المعرفة۔

ترجمہ:فرمانِ باری تعالیٰ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾کے بارہ میں معروف ادیب و امامِ لغت زجاج کا قول ہے کہ تلاوت کرتے ہوئے قرآنی الفاظ کو خوب کھول کر اور واضح ادا کرو۔ ترتیل کا حکم جلدی جلدی پڑھنے سے پورا نہیں ہوسکتا۔یہ جبھی ممکن ہے کہ تلاوت کرتے ہوئے

الفاظ اس طرح ادا کیے جائیں کہ ایک ایک حرف واضح طور پر کانوں کو سنائی دے اور انہیں حسبِ موقع نمایاں طور پر لمبا یا چھوٹا ادا کیا جائے۔ استاذ نحو ولغت مبرّد کہتے ہیں کہ اس ارشادِ باری کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے عربوں کا مقولہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ کسی شخص کے دانت بہت خوبصورتی سے جڑے ہوئے اور آراستہ دکھائی دیں اور سامنے کے دانتوں میں معمولی سا خلا ان کی ترتیب کے حسن کو دوبالا کر رہا ہو تو ایسے دانتوں کو عرب '' ثغر رَتِل '' کہتے ہیں۔ لیث جو کہ قراءات اور نحو کے امام ہیں کہتے ہیں ترتیل کے معنیٰ کسی چیز کو با حکمت ترتیب کے ساتھ خوبصورتی سے آراستہ کرنے کے ہیں۔ چنانچہ '' ثغر رَتِل '' ان دانتوں کو کہیں گے جو نہایت عمدگی کے ساتھ جڑے ہوئے اور ترتیب دیے ہوئے دکھائی دیں۔ اور رتّلتُ الکلامَ ترتیلًا آپ اس وقت کہیں گے جب آپ بات کو نہایت عمدگی کے ساتھ، چنیدہ الفاظ میں، ٹھہر ٹھہر کر خوبصورتی اور تلطّف کے ساتھ بیان کریں۔ اور ارشادِ باری تعالیٰ میں لفظ ''ترتیلًا'' سے تاکید ہے کہ جو حکم دیا گیا ہے اس کو بجالانے میں خوب اہتمام کیا جائے، اور ایک قاری کے لیے ترتیل کا حکم بجالانا نہایت ضروری ہے۔ مفسر موصوفؒ مزید لکھتے ہیں: یہ بھی واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز تہجد کا ارشاد فرما کر اس میں قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا ہے اس لیے کہ تلاوت کرتے ہوئے قلب و ذہن کے لیے ان آیات میں بیان فرمودہ حقائق و معارف پر اطلاع پا کر ان سے متمتّع ہونا اور سرور و حظّ حاصل کرنا ممکن ہو جائے؛ اللہ کا ذکر پائے تو اس کی عظمت و جلال کو محسوس کرے، تبشیر یا انذار کا ذکر پائے تو خدا کے فضل کی امید یا اس کی ناراضگی کا خوف دامن گیر ہو۔ تلاوت میں اس کیفیت کے حصول سے ہی عرفانِ الٰہی کے نور سے دل منور ہوتا ہے۔ جبکہ جلدی جلدی تلاوت کرنا معانی کو سمجھے بغیر تلاوت کرنے کی نشان دہی کرتا ہے۔ انسانی روح تو روحانی اور الٰہی امور کے ذکر سے ہی شاداں ہوتی اور فرحت پاتی ہے؛ اور جو شخص کسی شیء سے حظّ اور سرور پانے لگے تو اس کا ذکر کرتا ہے۔ اور یہ

بھی سچ ہے کہ جو شخص کسی شے سے محبت کرنے لگے اس پر سے جلدی اور لاپروائی سے نہیں گذر جاتا۔ پس ثابت ہوا کہ ترتیل سے مقصود بالذّات حضورِ قلب اور کمالِ معرفت کا حصول ہے۔

ترتیل کے حکم کے متعلق حضرت علیؓ کا قول ہے:

"الترتیل تجوید الحروف و معرفة الوقوف" (الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والعشرون) یعنی ترتیل یہ ہے کہ آیاتِ قرآنی کی تلاوت کے وقت حروف کو عمدہ اور خوبصورت ادا کرنا اور انکے مفہوم پر نظر رکھتے ہوئے اس امر کا اہتمام کرنا کہ ایسی جگہ پر وقف کیا جائے جہاں جملہ مکمل ہوتا ہو یا بات پوری ہوتی ہو۔

ارشادِ باری تعالیٰ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا کی مندرجہ بالا وضاحت کی روشنی میں قرآنِ مجید کی درست تلفظ کے ساتھ تلاوت سیکھنے کی ضرورت اور اس کا طریق، قرآن مجید کی عبارت میں موجود صوتی لے اور نغمگی کی وجہ سے اسے خوش الحانی کے ساتھ پڑھنے کی اہمیت وضرورت اس کے علاوہ مختلف قراءات وغیرہ امور کے حوالے سے آئندہ ابواب میں قرآن مجید، حدیث، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام، خلفاء اور بزرگان کے ارشادات کی روشنی میں معروضات پیش کی جائیں گی اور اسی طرح قرآنی رسم الخط میں پائے جانے والے غیر معمولی اعجاز کا کسی قدر ذکر اور آخر میں "مقابلہ حسن قراءت میں کن پہلوؤں سے جانچ کی جانی چاہیئے" اس کا ذکر ہوگا۔ ان شاء اللہ

وما توفیقی الّا با للّٰہ

باب اوّل: متنِ قرآن کوسنوار کر پڑھنے کی اہمیت

ابتدائیہ میں تلاوت کا جومعیار بیان ہوا ہے کیا ہر مومن پر فرض ہے کہ تلاوت کے لیے وہ معیار حاصل کرنے کی غرض سے اپنی انتہائی صلاحیتوں کو بروئے کار لائے؟

ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾(احزاب:۲۲)
یعنی: تمہارے لیے اللہ کے رسول میں ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کو شفقت اور انہماک سے سننا، اور ہمارے لئے اسوہ۔

عن ابی هريرة انّ رسولَ الله ﷺ قال: ما اذِ نَ اللهُ لشيءٍ ما اذن لنبيٍّ حَسَنِ الصّوتِ يتغنّى با لقران يجهرُ به۔(ابو داؤد باب كيف يستحبّ الترتيل فى القراء ة)

یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی چیز کی طرف اس چاہت اور محبت سے توجُّہ نہیں فرماتا جس چاہت اور محبت سے وہ ایک نبی کی طرف متوجّہ ہوتا ہے جو خوش آواز ہو، قرآن کو خوش الحانی سے عمدگی سے پڑھتا ہو۔ اس حدیث میں اس شخص کی تلاوت کو خدا کے حضور مقبول اور اس کی توجہ اور رضا کو جذب کرنے والی بتلایا گیا ہے جو نبی ہو، خوش الحان ہو اور عمدگی سے شیریں آواز میں تلاوت کرتا ہو۔ یہاں نبی سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے ہی؛ مگر ہر وہ مومن بھی مراد ہوسکتا ہے جو آپ کے اسوہ کی اتّباع میں تقویٰ اور پاکبازی اختیار کرتا اور فرطِ محبت میں اس کے مقدس کلام کو چومتا اور اس کی تلاوت میں مستانہ وار لگا رہتا ہے۔ گویا وہ کلامِ الٰہی کے ساتھ وابستگی اور وارفتگی کو اپنی گفتار اور رفتار میں ظاہر کرتا ہے۔

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

ہمیں حکم ہے کہ تمام احکام میں اخلاق میں عبادات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں پس اگر ہماری فطرت کو وہ قوّتیں نہ دی جاتیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے تمام کمالات کو ظلّی طور پر حاصل کر سکتیں تو یہ حکم ہمیں ہرگز نہ ہوتا کہ اس بزرگ نبی کی پیروی کرو کیونکہ خدا تعالیٰ فوق الطّاقت کوئی تکلیف نہیں دیتا جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۵۶)

حضرت مصلحِ موعودؓ آیت: ﴿لا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ (البقرة آیت 287) کی تشریح میں فرماتے ہیں: اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ جب تم کو تمام احکام تمہاری طاقت اور قابلیت کے مطابق دیئے گئے ہیں اور تم پر کوئی ناقابل برداشت بوجھ نہیں ڈالا گیا تو اب تمہارا فرض ہے کہ تم بھی دیانتداری کے ساتھ ان احکام پر ایسا عمل کرو جیسا کہ عمل کرنیکا حق ہے (تفسیر کبیر)

استعدادوں کو بڑھانے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح کی مربیان اور صاحبِ علم لوگوں کو ہدایت۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے نیکیوں میں ترقی کرنے اور کمزور افراد کو سہارا دے کر نیکیوں کے سفر میں ساتھ شامل رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا ”اللہ کسی پر اس کی طاقت سے بڑھ کر ذمہ داری نہیں ڈالتا۔ وہ ایسا حکم نہیں دیتا جو انسان کی استعداد اور قابلیت سے باہر ہو۔ تو پھر ان پر عمل کی ذمہ داری انسان پر عائد ہوتی ہے۔ ہمیں اپنی تمام تر استعدادوں کے ساتھ احکامِ الٰہی پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور یہی ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ عمل تمہاری استعدادوں کے مطابق ضروری ہے۔ فرمایا کہ انسانی استعداد اور طاقت کو دیکھیں تو ہر ایک کی دماغی حالت، جسمانی ساخت، اس کا علم اور ذہانت وغیرہ مختلف ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے انسان کی کمزوریوں، اس کی حالت اور ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے احکام میں

ایسی لچک رکھ دی ہے جس کے کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ معیار بھی مقرر ہیں۔ پس جب ایسی لچک ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میرے احکام پر دیانتداری سے عمل کرو۔ حضور انور نے فرمایا کہ جس طرح انسان کی صلاحیتوں میں فرق ہوتا ہے۔ تمام انسان برابر نہیں ہو سکتے سو یہی حالت ایمان اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کی بھی ہے۔ سب کے ایمان اور عمل کا معیار ایک جیسا نہیں ہوسکتا۔ پس ہر ایک کے عمل اور سمجھ کی استعداد کی جو حد ہے وہی اس کی نیکی کا معیار ہے۔ فرمایا یہ یادرکھنا چاہیے اللہ تعالیٰ کی نظر ہماری پاتال تک ہے، کسی بھی قسم کا بہانہ اپنی کم علمی یا کم عقلی یا استعدادوں کی کمی کا اللہ تعالیٰ کے حضور نہیں چل سکتا اس لئے اپنی استعداد کے جائزے لیتے ہوئے اپنے ایمان اور عمل کو پرکھنا چاہیے۔ فرمایا یادرکھیں کہ خدا تعالیٰ کو دھوکا نہیں دیا جاسکتا۔ جس طرح دنیاوی کاموں کے لئے کوشش ہوتی ہے، اس سے بڑھ کر دین کے کام کے لئے کوشش ہونی چاہیے۔ فرمایا کہ لوگوں کی استعدادوں کو بڑھانے کے سلسلے میں ہمارے مربیان اور صاحبِ علم لوگوں کو اپنا اہم کردار ادا کرنا چاہئے، ان کی علمی استعدادوں کو بڑھانے کی کوشش کریں، لوگوں کی استعدادوں کو سہارا دے کر انہیں اوپر لائیں۔ یہ بات افرادِ جماعت کی انفرادی اور جماعتی ترقی کا بھی موجب ہوگی۔

(خلاصہ خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۰ جنوری ۲۰۱۵ از روزنامہ الفضل ۳ فروری ۲۰۱۵)

''قرآن کریم پڑھنا ضروری ہے اس میں بہتری لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن صرف اس بات پر کہ بعض الفاظ ہم ادا نہیں کر سکتے یا مشکل ہے قرآن کریم کو پڑھنے سے ہی نہیں چھوڑ دینا چاہیے بلکہ تلاوت کی طرف روزانہ ہر احمدی کی توجہ ہونی چاہئے۔ ہاں یہ کوشش ضرور ہونی چاہیے جیسا کہ میں نے کہا کہ اصل کے جتنا قریب ترین ہو کر آسانی سے الفاظ کی ادائیگی ہو سکے کی جائے اور اس میں پھر بہتری پیدا کرنے کی کوشش بھی کی جائے''۔ (خطبہ جمعہ ۳۱ جولائی ۲۰۱۵)

پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی قرآن و حدیث میں موجود تعلیم کی

نہایت خوبصورتی سے عکّاسی کرنے والی اس رہنمائی کی روشنی میں افرادِ جماعت کی ایک اہم ذمہ داری یعنی اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان کتاب قرآن مجید کی تلاوت کے معیار کو بہتر بنانے اور اس کی درس وتدریس میں معاونت کی غرض سے مواد ہدیۂ قارئین کیا جارہا ہے۔

ضعیف ، کمزور اوران پڑھ افراد، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلیم وتدریس کے لئے اساتذہ تیار کرنا۔

قرآن مجید کی اسی عظمت اور اہمیت کے پیشِ نظر ہی اس کی تلاوت اور ہر فرد کو اس کے ساتھ وابستہ کرنے کی چاہت اور تڑپ جو کہ رسولِ خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تھی اس کا کسی قدر اندازہ حضرت ابی بن کعب کی درجِ ذیل روایت سے ہوسکتا ہے آپؓ بیان کرتے ہیں:

لَقِیَ رسولُ اللہ جبریلَ،فقال: [یا جبریلُ انّی بعثتُ الیٰ امّۃِ اُمّیّین منھم العجوز ،والشیخ الکبیر ،والغلام والجاریۃ ،والرجل الّذی لم یقراُ کتابا قطّ] قال: یا محمد! انّ القرآن انزل علیٰ سبعۃ اَحرفٍ (ترمذی باب ما جاء ان القرآن انزل علیٰ سبعۃ احرف)

یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبریل سے ملے تو آپ نے کہا اے جبریل میں امی لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں ان میں انتہائی بوڑھی عورتیں اور مرد ہیں ،لڑکے لڑکیاں ہیں اور ایسے افراد بھی ہیں جنہوں نے کبھی کوئی تحریر نہیں پڑھی اس پر جبریل نے فرمایا قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔حدیث کے الفاظ ''سبعۃ اَحرف'' کی موقع اور محل کے مطابق کئی توجیہات کی جاتی ہیں مگر جس تناظر میں مذکورہ بالا حدیث میں یہ الفاظ ہیں ان کا یہ مفہوم بنتا ہے کہ انتہائی بوڑھے مرد اور عورتیں یا کم صلاحیت رکھنے والے لڑکے لڑکیاں یا سرے سے ان پڑھ افراد اپنی صلاحیت کے مطابق اسے پڑھ سکتے ہیں۔لیکن یہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس لیے اس کا پڑھنا اور مختلف پہلوؤں سے مہارت حاصل کرنا اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے۔دینِ حق کی تعلیم کی یہ خوبی ہے کہ کوئی بھی عمل ہو،اس میں مطمحِ نظر تو اعلیٰ ترین مقرر کرتی ہے مگر ساتھ ہی حکم میں لچک بھی ہوتی ہے تا ہر سطح کی طبیعت اور صلاحیت کا انسان اس کے لیے اپنی

مقدور بھر کوشش کرے، اور کوئی بھی کلّیۃً محروم نہ رہ جائے۔ چنانچہ فرمایا﴿وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُم﴾(الزمر: ٥٦) یعنی اور جو کچھ تمہاری طرف اترا ہے اس میں سے اپنے مطابقِ حال سب سے بہتر حکم کی پیروی کرو۔ حضرت مصلح موعودؓ اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں ''یعنی جو زیادہ سے زیادہ توفیق ہو اس کے مطابق کام کرنے کی کوشش کرو'' (تفسیر صغیر)۔ تلاوت کلامِ پاک کے حوالہ سے تو خصوصی رہنمائی موجود ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[الماهر بالقران مع السفرة الكرام البررة، و الّذى يقرأ القران و يتتعتع فيه ،و هو عليه شاقّ، له ا جران](مسلم باب فضل الماهر بالقران والّذى يتتعتع فيه) یعنی قرآن پڑھنے میں مہارت رکھنے والا، (اللہ کی راہ میں) سفر کرنے والے معزز اور نیک لوگوں کے ساتھ ہے۔ اور وہ جو قرآن پڑھتا ہے جبکہ اسے تو تلا پن لاحق ہو اور طبیعت پر گراں ہونے اور مشکل محسوس ہونے کے باوجود قرآن پڑھے، تو اس کے لیے دوگنا اجر مقدر ہوگا۔ قرآن مجید کے حوالے سے الفاظ '' سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَة '' کی حضرت مصلح موعودؓ نے لطیف وضاحت فرمائی ہے۔ فرمایا '' یہ ہتھیار (قرآن) بِأَيْدِىْ سَفَرَةٍ ہوگا یعنی ایسے سپاہیوں کے ہاتھوں میں دیا جائے گا جو مسافر بھی ہونگے اور لکھنے والے بھی ہونگے یعنی ایک طرف وہ اپنے زمانہ کے لوگوں کے دلوں کو فتح کرنے کے لیے دور دور کا سفر کرینگے جیسے صحابہؓ قرآن کریم کو اپنے ہاتھ میں لے کر ہندوستان، ایران، عراق، مصر، بربر اور روم وغیرہ تک چلے گئے۔ اور دوسری طرف آئندہ زمانہ کے لوگوں کے دل فتح کرنے کے لیے وہ اس کتاب کو لکھ لکھ کر پھیلا دینگے، تا کہ ہر زمانے کے لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ وہ دنیا کو اس ہتھیار سے فتح کرنے کی وجہ سے کِرَام ہو جائیں گے لیکن معزّز ہونے کی وجہ سے وہ مغرور نہیں ہونگے۔ بلکہ بَرَرَہ ہونگے، یعنی دوسروں پر احسان کرنے والے، اور ان کے غمخوار، اور اپنی ترقی کو ذاتی بڑائی کا موجب نہیں بنائیں گے؛ بلکہ اسے محتاجوں کی تکلیفیں اور غرباء کی مشکلات دور کرنے کا موجب بنائیں گے۔ (سیر روحانی

صفحہ ۴۷۵)۔پس کم صلاحیت والوں کو اللہ اور رسول نے کلیۃً محروم رہنے کی بجائے یہ اجازت تو دی کہ اپنی صلاحیت اور حالات کے مطابق جس طرح اس عظیم کلامِ الٰہی کو پڑھ سکیں پڑھیں۔مگر جس کے لیے موقع ہو اسے مختلف پہلوؤں سے اسمیں مہارت حاصل کرنے کے لیے بھرپور سعی کرنے کی بھی لطیف پیرائے میں ترغیب دی ہے۔اسی لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں خود افرادِ امت کو قرآن کریم سکھاتے تھے؛ وہاں اس کام کے لیے آپ نے خاص طور پر اساتذہ بھی مقرر فرمائے اور درس و تدریس کے وقت ان اساتذہ کی نگرانی بھی فرماتے تھے۔چنانچہ بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ [خذو ا القراٰن من اربعةٍ، من عبد الله بن مسعود، و سالمٍ، و معاذٍ و اُبی بن کعبٍ] (بخاری باب القراء من اصحاب رسول اللهﷺ) اسکی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے... جن لوگوں نے قرآن سیکھنا ہو وہ ان چار سے قرآن پڑھیں۔عبداللہ بن مسعودؓ، سالم، معاذ بن جبلؓ اور ابیؓ بن کعبؓ۔یہ چار تو وہ تھے جنہوں نے سارا قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا، یا آپ کو سنا کر اس کی تصحیح کرا لی۔لیکن ان کے علاوہ بھی بہت سے صحابہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست بھی کچھ نہ کچھ قرآن سیکھتے رہتے تھے۔چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک لفظ کو اور طرح پڑھا،تو حضرت عمرؓ نے ان کو روکا اور کہا کہ اس طرح نہیں اس طرح پڑھنا چاہیے۔اس پر عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ نہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح سکھایا ہے۔حضرت عمرؓ ان کو پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے،اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یہ قرآن غلط پڑھتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبداللہ بن مسعودؓ پڑھ کر سناؤ۔جب انہوں نے پڑھ کر سنایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے۔حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ مجھے تو آپ نے یہ لفظ اور رنگ میں سکھایا ہے۔آپ نے فرمایا یہ

بھی ٹھیک ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف یہی چار صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن نہیں پڑھتے تھے بلکہ دوسرے لوگ بھی پڑھتے تھے۔ (دیباچہ تفسیر القرآن صفحہ ۲۷۲)

بابِ دوّم: علمِ تجوید کا تعارف اور متنِ قرآن کی درس وتدریس

قرآنی متن کی درس وتدریس کے حوالے سے چار علوم: علمِ تجوید، علمِ اوقاف، علمِ قراءات اور علمِ رسم الخط ہیں جن سے ایک مدرس کو متعارف ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔اس باب میں علمِ تجوید اور اسے عملی طور پر اختیار کرنے سے متعلق معروضات پیش کی جائیں گی۔ قرآن کریم کی صحیح اور درست تلاوت کی اہمیت و برکت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے اللہ کی کتاب سے ایک حرف پڑھا تو اسے ایک نیکی ملے گی اور ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوگی (فرمایا) میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ 'ا' ایک حرف ہے 'ل' ایک حرف ہے اور 'م' ایک حرف ہے اس طرح الم پڑھنے سے تیس نیکیاں مل جائیں گی۔

(ترمذی ابواب فضائل القرآن حدیث نمبر: ۲۹۱۰)

قرآن کریم کی اس عظمت وشان اور تقدس واحترام کے پیشِ نظر اسکی صحیح اور عمدہ طور پر تلاوت کی تعلیم وتدریس کے لیے جو علم ایجاد ہوا اسے علمِ تجوید کہتے ہیں۔تجوید کے لغوی معنیٰ تحسین یعنی عمدہ اور خوبصورت بنانے کے ہیں۔اصطلاحًا اس سے مراد وہ علم ہے جس میں حرفوں کے مخارج وصفات سے متعلق بحث ہوتی ہے۔تلاوت کو معیاری بنانے کا آغاز تلفظ یعنی الفاظ کے عمدہ طور پر ادا کرنے سے ہوتا ہے اور الفاظ بنتے ہیں حروف سے۔اس لیے علمِ تجوید میں بنیادی طور پر حروفِ تہجی پر ہی بحث ہوتی ہے جس کے دو پہلو ہیں (۱) کسی حرف کا مخرج کیا ہے، یعنی وہ حرف منہ کے کس حصّہ سے ادا ہوتا ہے۔مخرج کی جمع ہے مخارج۔(۲) کسی حرف کی کیفیتِ ادا کیا ہے، آیا وہ موٹا ادا ہوتا ہے یا باریک، اس کی ادا میں تیزی ہے یعنی تیکھا پن ہے یا

ادا اسکے برعکس ہے، کوئی حرف نرمی سے ادا ہوتا ہے یا مضبوطی سے، کسی حرف پر آواز ٹھہرتی ہوئی سرعت یعنی سبک رفتاری سے گذرنی چاہیے یا اس پر ٹھہرتے ہوئے نرمی سے لہر کھاتی ہوئی گذرے، کسی حرف پر آواز کو ٹھہراتے ہوئے حرف کی آواز کو اسکے مخرج میں ہی مکمل ادا کرنا ہے، یا اسے ادا کرتے ہوئے مخرج سے ہٹا کر اس کی ادا مکمل ہوگی تو وہ درست ادا ہوگا؛ ان کیفیات کو صفات کہتے ہیں۔ پس علمِ تجوید میں بنیادی طور پر حروفِ تہجی کے بارہ میں دو پہلوؤں یعنی مخارج وصفات پر بحث ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ قرآنی عبارت کی ترکیب وترتیب میں جو نغمگی اور صوتی حسن پایا جاتا ہے اس کو اپنی تلاوت میں اپنانے کے لیے اصول بتلائے جاتے ہیں۔ بظاہر یہ امور ایسے ہیں جنہیں بعض لوگ شاید تکلف کے زمرِہ میں شمار کریں؛ مگر یہ امور قرآنی عبارت میں موجود حسن کو سامنے لانے والے، اور تلاوت کرنے والے کی آواز کو حسن دینے والے ہیں۔

قرآنِ شریف کے ظاہر الفاظ اور ترتیب بھی معجزانہ ہے۔

حضرت مہدیء آخر زماں علیہ السلام فرماتے: ''**جیسے قرآنِ شریف کا باطن معجزہ ہے ویسے ہی اسکے ظاہر الفاظ اور ترتیب بھی معجزانہ ہے۔ اگر ہم اس کے ظاہر کو معجزہ نہ مانے تو پھر باطن کے معجزہ ہونے کی دلیل کیا ہوگی؟ ایک انسان کا اگر ظاہر بھی گندہ ناپاک اور خبیث ہوگا تو اس کی روحانی حالت کیسے اچھی ہوسکتی ہے؟ عوام الناس اور موٹی نظر والوں کے واسطے تو ظاہری خوبی ہی معجزہ ہوسکتی ہے۔ اور چونکہ قرآن ہر ایک قسم کے طبقہ کے لوگوں کے واسطے ہے، اس لیے ہر ایک رنگ میں یہ معجزہ ہے۔**'' (ملفوظات جلد سوم صفحہ ۱۳۰)

ماہرینِ تجوید کہتے ہیں: والاَخذ بالتجوید حتمُ لازمُ من لم یجود القراٰن اٰثمُ

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مکلّف اور عاقل پر لازم ہے کہ علمی طور پر نہ سہی مگر وہ عملی طور پر تجوید کے اصول اپنائے اور ان کے مطابق تلاوت کرے۔ یہ بات بظاہر عجیب لگتی ہے کہ تجوید کے علم پر عبور حاصل کرنا ضروری نہیں، مگر اس کے تجویز کردہ اصول کے مطابق

تلاوت کرنا ہر مکلّف اور عاقل پر واجب ہے۔ تاہم عمل کے لحاظ سے یہ عجیب نہیں اس لیے کہ علمِ تجوید کو لیا جائے تو اس میں جب حروف کے مخارج پر بحث ہوتی ہے تو بتیس دانتوں کے عربی اسماء، حلق کے مختلف حصوں، زبان کے مختلف حصوں، مسوڑھوں، تالو اور لبوں وغیرہ کے عربی اسماء سکھائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ حروف کی متعدّد اور متنوّع صفات اس میں مقرر ہیں اور ان کے ذکر میں بڑی ثقیل اور پیچیدہ اصطلاحات کا ذکر چل نکلتا ہے۔ ہر فرد کو ان تفصیلات میں پڑنے کی ضرورت نہیں وہ استاد کو سن کر اس کی عملی ادا سے ان اصول کے مطابق تلاوت کرنا سیکھ سکتا ہے۔ اس میں اساتذہ کے لیے بھی پیغام ہے وہ یہ کہ طلباء کو اس طرح سے اصطلاحات میں نہ الجھائیں کہ قرآن سیکھنے سے زیادہ ان اصطلاحات کے سمجھنے میں انکی ذہنی طاقت اور وقت صرف ہو جائے۔ اساتذہ کو چاہیے کہ اگر کسی اصطلاح کا ذکر ناگزیر ہو تو اصطلاح کا استعمال کریں۔ خود ان کے ذہن میں وہ اصطلاح لغوی اور اصطلاحی معنوں کے لحاظ سے واضح ہونی چاہیے پھر اسے آسان ترین پیرائے میں طالب علم کو سمجھائیں۔ زیادہ توجہ عملی مشق کروانے پر ہونی چاہیے۔

معیاری تلاوت سیکھنے کے لئے حروفِ تہجی سے ہی مشق کی ضرورت و اہمیت۔

قرآن کریم عربی میں ہے اور عربی حروف تہجی میں سے بیشتر اردو اور فارسی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حروف تہجی کو عربی تلفظ میں پڑھانا ضروری ہے یا اردو، فارسی طرز پر بھی پڑھانے میں کچھ مضایقہ نہیں؟۔ جواب یہ ہے کہ درست تلفظ کے لئے انہیں عربی لہجہ اور طرز پر ہی پڑھانا ضروری ہے خواہ اردو میں ان حروف کو سیکھا بھی جا چکا ہو۔ حروف تہجی سکھاتے وقت جیسی بنیاد ہوگی اسی پر آگے چل کر ناظرہ یا قرائت کی عمارت کھڑی ہوگی۔ اسی لئے تلاوت سکھانے کی غرض سے جو علم ایجاد کیا گیا ہے اس کا مرکز و محور حروفِ تہجی ہی ہیں۔

حروف تہجی پڑھنے کا کیا مقصد ہے؟ حروفِ تہجی پڑھنے کا مقصد ان میں موجود آوازوں کا سیکھنا

ہے۔ یہ آوازیں کیا ہیں؟ ہر حرف کے نام کے شروع میں ایک آواز ہوتی ہے۔مثلاً حرف 'ا' کا نام 'اَلِف' ہے؛ اس میں شروع کی آواز 'اَ' ہے جو سیکھنی ہے۔اسی طرح حرف 'ع' اسکا تلفظ 'عین' ہے۔اس میں شروع کی آواز 'عَ' ہے جو سیکھنی ہے۔انتیس حروف تہجی ہیں۔ان میں پہلا حرف الف ہے۔الفاظ میں تو یہ پچھلی آواز کو لمبا کرنے کا کام دیتا ہے۔تاہم حروفِ تہجی کی مشق میں ہم اس سے ہمزہ کی آواز سیکھنے کا کام لے سکتے ہیں (جیسا کہ اوپر ذکر ہوُا ہے)۔کیونکہ حرف ہمزہ (ء) کے نام میں وہ آواز نہیں جو یہ الفاظ میں آ کر دیتا ہے۔گویا ہمزہ دو شکلوں کا ہوتا ہے یعنی ء اور الف جس پر کوئی علامت ہو جیسے اَ، اُ، اِ، اْ۔اس طرح عربی حروفِ تہجی میں کل اٹھائیس آوازیں ہوئیں۔اور حروفِ تہجی کی مشق میں یہ اٹھائیس مختلف آوازیں سیکھنا مقصود ہوتا ہے۔

نوٹ: یاد رکھنا چاہیے کہ مختلف افراد میں سیکھنے کی صلاحیتیں مختلف ہوتی ہیں۔کوئی جلدی سیکھتا ہے کوئی سیکھنے میں نسبتاً زیادہ وقت لیتا ہے۔اور بعض افراد تو بعض حروف کو ادا کرنے سے اپنے آپ کو معذور ہی گردانتے ہیں۔لہٰذا قرآن کریم کے تقدس واحترام کے پیشِ نظر، سیکھنے کے لحاظ سے محبت اور اخلاص کے ساتھ کوشش شرط ہے۔کوشش کے بعد اگر کمی بھی رہ جائے تو تو کوئی حرج نہیں۔

مخارج اور اصولِ مخارج: حروف کی امتیازی آوازیں سکھانے کے لئے ماہرین نے منہ کے مختلف حصوں کی ان حروف کی ادا کی نسبت سے تعیین کی ہوئی ہے۔جو گویا سانچے ہیں۔جن میں آواز امتیازی حیثیت میں بنتی ہے۔ان سانچوں کو مخارج کہتے ہیں جو سترہ بیان کئے جاتے ہیں۔اور بولنے کے اعضاء کو پانچ بنیادی حصوں میں تقسیم کر کے انہیں اصولِ مخارج کا نام دیا گیا ہے۔کلامِ الٰہی کو محنت اور شوق سے پڑھنے والے کو اس بات کا علم فائدہ دے سکتا ہے کہ حروف اور الفاظ ادا کرنے کے لیے ہمارے مُنہ کے کون کونسے حصّے استعمال میں آتے ہیں۔ان میں سیکھنے والے کے کونسے ہیں جو پہلے سے فعال ہیں، اور کونسے ہیں جو کبھی استعمال میں نہ آنیکی وجہ

سے مفلوج پڑے ہیں اور ان کو فعال بنانے کی ضرورت ہے۔ وہ ایک مفلوج عضو کی طرح ہیں، جسے دوبارہ فعال بنانے کے لیے باقاعدگی سے ایک وقت تک مسلسل مشق کی ضرورت ہے۔ ان اصولِ مخارج میں سے پہلا اصل ''حلق'' ہے اس میں تین مخارج ہیں اور چھ حروف ان سے ادا ہوتے ہیں ''ء ،ہ ،ع ،ح ، غ ،خ'' اسی لیے ان چھ حروف کو حروفِ حلقی کہتے ہیں۔ دوسرا اصل ''لسان'' یعنی زبان ہے جس میں دس مخارج ہیں اور اٹھارہ حروف ادا ہوتے ہیں۔ تیسرا اصل ''شفتین'' یعنی دونوں لب ہیں اس میں دو مخرج ہیں اور ان سے چار حروف ادا ہوتے ہیں چوتھا اصل ''جوفِ دہن'' یعنی منہ کا خلا ہے اس میں ایک مخرج ہے، اور اس سے تین حروفِ مدہ ادا ہوتے ہیں۔ پانچواں اصل ''خیشوم'' (یعنی ناک کی جڑ میں ہڈی والا حصہ) ہے اس میں ایک مخرج ہے، جس سے نون اور میم بحالتِ غنہّ ادا ہوتے ہیں۔ ان پانچ میں آخری یعنی خیشوم کا استعمال 'ن ،م' میں ہوتا ہے۔ ادغام ناقص کے غنہ کی ادا میں اسکی خصوصی مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ جبکہ 'ن ،م' کے بعد حرفِ مد ہو تو پھر غنہ سے اجتناب چاہیے، یا کم سے کم ہونا چاہیے۔

نوٹ: یہاں صرف اشارۃً مخارج کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ توجہ ہو جائے کہ کلامِ الٰہی کی تلاوت سکھاتے ہوئے شاگرد کے بولنے کے اعضاء اور قُویٰ یعنی صلاحیتوں کو کام میں لگانا، نکھارنا اور چمکانا ہے۔ ایک طالب علم یا سیکھنے والے کو اس تفصیل سے آگاہ کرنے کی ضرورت نہیں، مگر اساتذہ کو چاہیے کہ اصول پیشِ نظر رکھیں اور موقع محل پر اور شاگرد کی ضرورت کے وقت بیان کر دیں۔ زیادہ توجہ عملی نمونہ اور مشق پر رہے۔ (مخارج وصفاتِ حروف اس باب کے آخر میں چارٹس کی صورت میں منسلک کیے گئے ہیں اساتذہ ان سے استفادہ کر سکتے ہیں)۔

مفرد حروف کی مشق اور اہم امور:

سوال: مفرد یعنی علیحدہ علیحدہ لکھے گئے حروف کی مشق میں کیا سیکھا جاتا ہے؟

جواب: مفرد حروف کی مشق میں (ا) ہر حرف کو اس کی امتیازی آواز سے ادا کرنا مثلاً ہ

اورح۔ ت اور ط۔ ز اور ظ کی آوازوں کو فرق کے ساتھ سیکھنا مقصود ہوتا ہے۔

(۲) آواز میں روانی لانے کی مشق ہوتی ہے۔اس کے لیے حروف کو نمایاں لمبا ادا کرنا ہوگا۔

(۳) دیکھنے کے لحاظ سے حروف کی پہچان کروائی جاتی ہے کہ وہ لکھنے میں کیسے ہوتے ہیں۔

نوٹ: قرآن مجید کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھنے کا حکم ہے۔خوش الحانی پیدا کرنے کے لیے بنیادی طور پر دو امور کی ضرورت ہے ا: تلفظ درست ہونا ۲: آواز کا روانی سے چلنا۔استاد کو چاہیے کہ ارادی اور شعوری طور پر پہلے سبق سے ہی اپنے شاگرد کو ان دونوں امور کی مشق کروائے۔حروف تہجی میں ہر حرف کی امتیازی آواز سیکھنے سے درست تلفظ کی مشق اور حروف کو قدرے لمبا یا لہردار ادا کرنے سے آواز میں روانی پیدا کرنے کی مشق کروائی جاسکتی ہے۔

مرکب حروف سے متعلق اہم امور (ملا کر لکھے گئے حروف جیسے نعبت، ثجنخ)

سوال: مرکب یعنی ملا کر لکھے گئے حروف کی مشق میں کیا سیکھا جاتا ہے؟

جواب: ایک مبتدی کے لیے ناظرہ سیکھنے کے اسباق اس طرح ترتیب دیے جانے چاہئیں کہ عربی عبارت کی جان پہچان ہوجائے اور قرآنِ مجید کی عظیم الشان عبارت جو اپنے اندر ردھم اور صوتی حسن رکھتی ہے درست تلفظ کے ساتھ اور روانی سے پڑھنی بھی آجائے۔اس امر کے پیشِ نظر حروف تہجی کے بعد کا سبق مرکب یعنی ملا کر لکھے گئے حروف پر مشتمل ہونا چاہیے، تا کہ سیکھنے والے کو پہچان ہو کہ حروف جب ملا کر لکھے جاتے ہیں تو انکی شکل میں کیا تبدیلی واقع ہوتی ہے۔حرف شروع میں ہوگا تو اس کی کیا شکل ہوگی، درمیان میں آئے گا تو کیسا ہوگا، اور آخر میں ہوگا تو کس طرح کا ہوگا۔پڑھنے کے لحاظ سے مرکب حروف کو علیحدہ علیحدہ ہی پڑھا جاتا ہے۔

مفرد (یعنی علیحدہ علیحدہ لکھے گئے) حروف کی مشق میں تلفُّظ اچھا بنانے کے ضمن میں جو دو امور بیان کیے گئے ہیں اس سبق کی مشق میں بھی ان کو مدّ نظر رکھا جائے۔یعنی کوشش ہو کہ ہر حرف اپنی

امتیازی آواز کے ساتھ ادا ہو اور قدرے لمبی آواز سے اسے ادا کیا جائے۔اس سبق میں حروف کی ادا ئیگی کے لحاظ سے موٹا ادا کرنے یا باریک ادا کرنے کا بھی شعور دیا جائے۔عملی طور پر تو استاد مفرد حروف سے ہی اسکا اہتمام کرتا ہے،مگر طالب علم کے لیے ہر سبق میں ایک یا دو نِکات ہی بیان ہوں تو یاد رکھنے میں اور پھر مشق کرنے میں سہولت رہتی ہے۔اس لیے کیفیتِ ادا کے لحاظ سے حروف کی دو قسموں کی پہچان مرکب حروف والے سبق میں کروانی چاہیے۔

ایک قسم حروفِ تـــفــــخیـــم یعنی قدرے موٹے ادا ہونے والے حروف۔ یہ سات ہیں: خ،ص،ض،غ،ط ،ق،ظ۔('ر' بھی ان میں شامل ہوتا ہے جب اس پر فتحہ یا ضمہ ہو)۔ یہ حروف موٹے ادا ہوتے ہیں۔(نوٹ:سیکھنے والے کو یہ بتانا اور مشق میں اس کا اہتمام کروانا ضروری ہے کہ انہیں موٹا ادا کرنے میں اعتدال ملحوظ رہے)۔**دوسری قسم** حروفِ تـــرقیق ،یعنی وہ حروف جو باریک ادا ہوتے ہیں۔ مذکورہ بالا حروف کے علاوہ باقی حروف باریک ادا ہوتے ہیں اور انہیں جتنا باریک ادا کیا جائے گا آواز صاف ہوگی اور ادا بہتر ہوگی۔'ر' کسرہ کے ساتھ ہوگا تو سادہ یعنی باریک ادا کیا جائے گا۔

لفظ اللہ اور اللّٰھم کے لام کے بارہ میں اصول یہ ہے کہ ان کے لام سے قبل کسرہ ہو تو اسے سادہ یعنی باریک ادا کرتے ہیں اور اس سے قبل ضمہ یا فتحہ ہو تو اسے مُفَخّم یعنی موٹا ادا کرتے ہیں۔مگر یہ اصول اسوقت بتانا چاہیے جب عربی الفاظ کی مشق کافی حد تک کروائی جا چکی ہو۔

حرکات کی پہچان۔متحرک حروف والے سبق میں آواز پر ضبط حاصل کرنے کی مشق۔

حروفِ تہجی جب پڑھے جاتے ہیں تو ہر حرف کا نام لیا جاتا ہے تا کہ حروف کی پہچان ہو۔اور ہر حرف کو اس کی اپنی امتیازی آواز سے ادا کرنے کی کوشش کے ساتھ اسے نمایاں لمبا پڑھا جاتا ہے تا کہ رواں پڑھنے کی مشق کا آغاز ہو جائے۔حروف سے جب الفاظ بنتے ہیں تو لفظ کو شکل دینے کے لیے حروف پر مختلف علامات لگائی جاتی ہیں۔ان میں سے تین حرکات ہیں:

فتحہ (َ)،ضمہ (ُ)،کسرہ (ِ)۔ یہ حروف کی آواز کو کوئی رخ یا سمت دیتی ہیں،فتحہ والا حرف مفتوح ،ضمہ والا مضموم،اور کسرہ والا مکسور کہلاتا ہے۔

حرکات اور متحرک حروف (اَ۔اُ۔اِ بَ۔بُ۔بِ) کو پڑھنے کا صحیح طریق:

مفرد اور مرکب حروف کو پڑھاتے ہوئے اس امر کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ ادائیگی نمایاں لمبی ہو،تا کہ ابتداء ہی سے آواز چلانے کی مشق شروع ہو جائے۔اس کے بعد ایک ایک متحرک حرف پر مشتمل سبق آتا ہے جس میں ہر حرف کی امتیازی آواز ادا کرنے اور آواز پر ضبط یعنی کنٹرول حاصل کرنے کی مشق ہوتی ہے۔شاگرد کو پابند کیا جائے کہ متحرک حرف چستی سے ادا کرے۔مفتوح حرف **مثلاً** بَ کی ادا میں منہ کھلے مگر آواز ڈھیلی ادا نہ ہو بلکہ چستی سے اور چھوٹی ادا ہو۔**مضموم** حرف **مثلاً** بُ کی ادا میں منہ کھلے تو لب گول ہوں اور آواز آگے کو چلے مگر ڈھیلی ادا نہ ہو بلکہ چستی سے اور چھوٹی ادا ہو۔**مکسور** حرف **مثلاً** بِ کی ادا میں منہ کھلے،آواز نیچے کو چلے مگر ڈھیلی ادا نہ ہو بلکہ چستی سے اور چھوٹی ادا ہو۔ایک ایک حرف ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا پابند کیا جائے۔ایک دفعہ میں ایک سے زیادہ حروف پڑھنے سے آواز کی ادا میں ضبط لانے کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

دو دو تین تین حروف (بُاِ، باُ۔ فُعِلَ ، فِعَلُ) میں آواز پر ضبط اور رواں پڑھنے کی مشق

ناظرہ سیکھنے والے مبتدی کو یا ایسے شخص کو جس نے تلفظ کو عمدہ بنانا ہو؛ دو دو، تین تین متحرک حروف والے سبق کی مشق میں جہاں حروف کو انکی امتیازی آوازوں کے ساتھ ادا کرنے کی مشق جاری رکھنی ہے، وہاں اپنی ادا اور تلفظ میں ضبط کا ملکہ کا پیدا کرنا ہے۔حروف جو اکٹھے دیے گئے ہوں انہیں ایک آواز سے اس طرح پڑھا جائے کہ تمام حروف روانی سے ادا ہوں، ایک جیسے ادا ہوں،کوئی حرف ڈھیلا نہ ادا ہو۔اس لحاظ سے تلفظ کو درست کرنے کے لیے یہ مشق بہت اہمیت کی حامل ہے۔جن افراد کو الفاظ بسہولت رواں ادا کرنے میں دقّت پیش آتی ہوا نکے

لیے بتلائے ہوئے طریق پر اہتمام کے ساتھ اس مشق کا کرنا بولنے کے اعضاء کو فعال (کام کرنے کے لائق) بنانے میں بہت فائدہ دے گا۔اور الفاظ کے رواں ادا کرنے کی صلاحیت پیدا کرے گا۔ان شاءاللہ۔

علامتِ سکون اور ساکن حروف درست طریق پر پڑھانے کا فائدہ:

حروف کو درست اور عمدہ ادا کرنے میں سکون کی علامت ْ کا اہم کردار ہے۔سکون کے معنیٰ ٹھہراؤ کے ہیں۔جس حرف پر سکون کی علامت ہو اس پر آواز کو ٹھہرا کر یعنی ٹکا کر ادا کیا جائے تو حرف ٹھیک اور اپنی امتیازی آواز کے ساتھ ادا کیا جاسکتا ہے۔شاگرد کو اس بات پر عمل کروالیا جائے تو حروف کو صحیح ادا کرنے میں اس کے لیے کافی آسانی ہوگی۔مثلاً **نَعْبُدُ، نَحْمَدُ ،اَلْحَمْدُ ؛** جیسے الفاظ میں۔یاد رہے کہ ہر حرف کو اس کے مخرج (یعنی مقام جس سے وہ ادا ہوتا ہے) میں بننے کے لیے ایک وقت درکار ہوتا ہے۔بعض حروف کے لیے یہ دورانیہ کم ہوتا ہے اور بعض کے لیے کچھ زیادہ، مثلاً لفظ **الحمد** میں لام اور میم کو اگر بہت عجلت میں ادا کریں گے تو ان میں قلقلہ کی کیفیت پیدا ہوجائے گی اس سے بچنے کے لیے ان پر آواز کو پوری طرح ٹکا کر ادا کرنا ہوگا۔یہ احتیاط کرلی جائے کہ ساکن حرف پر آواز ٹھہرے، مگر ہلے نہیں تو حروف درست ادا کرنے میں مدد ملتی ہے۔

حروفِ قلقلہ: حروفِ تہجی میں کچھ حروف ایسے ہیں کہ جب ان پر سکون کی علامت آتی ہے تو مخرج یعنی منہ کے جس مقام سے وہ ادا ہوں، وہیں آواز ختم کرنے کی بجائے آواز کو اس مقام سے ہٹا کر ختم کیا جائے تو وہ صحیح ادا ہوتے ہیں مثلاً **دَدْ** میں دْ کو ادا کرنے کے لیے زبان کی نوک ثنایا علیا یعنی اوپر کے سامنے والے دو دانتوں کی جڑ میں لگتی ہے۔**د** ساکن کو ادا کرنے کے لیے جب زبان ان دانتوں کی جڑ میں لگے، وہاں سے زبان کو اس کی آواز مکمل ادا ہونے سے پہلے ہی ہٹالیا جائے،اس طور پر اس حرف کو درست آواز کے ساتھ اور واضح ادا کیا جاسکتا ہے۔اس طرزِ ادا کا نام قلقلہ ہے۔اس انداز

سے ادا ہونے والے حروف پانچ ہیں: **ق ،ط ،ب ، ج ،د**'۔(ان کے علاوہ دیگر حروف کے بارہ میں احتیاط برتی جائے کہ جب ان پر سکون ہو تو ان کی ادا میں یہ کیفیت پیدا نہ ہو)۔حروفِ قلقلہ کو مذکورہ بالا طریق پر ادا کرنے سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ ان میں سے جن حروف کی آوازیں ملتی جلتی ہیں ان کو امتیازی آواز سے ادا کرنے میں بھی مدد ملے گی۔

حروف مدّہ حروف لین وغیرہ کو ان کی صفات کے مطابق پڑہانے کی اہمیت۔

عربی الفاظ میں آواز کا چھوٹا یا لمبا ادا کرنا معانی کے اعتبار سے بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے ۔ مثلاً لَتَعْلَمُ کا مطلب ہے تم ضرور جانتے ہو اور لَا تَعْلَم کا مطلب ہے تم نہیں جانتے۔الف نے لام کی آواز کو لمبا کیا تو معنوں کو بھی بدل دیا۔ہم جانتے ہیں کہ الف (ا) سے پہلے فتحہ ہو واو ساکن (وْ) سے پہلے ضمہ ہو اور یا ساکن (یْ) سے پہلے کسرہ ہو تو یہ تینوں حروف پچھلی آواز کو لمبا کرتے ہیں؛ گویا پچھلی آواز کو لمبا کرنا انکی خاصیت ہے۔آواز کو لمبا ادا کرنے کے مفہوم کے لئے عربی میں لفظ 'مدّ' ہے۔ چنانچہ ان حروف کی اس خاصیت کی وجہ سے انکو 'حروفِ مدہ' کہتے ہیں۔اوران کی وجہ سے پیدا ہونے والی مد کو **مدّ اصلی یا مدّ طبعی** کہتے ہیں۔اگر ایسے موقع پر جہاں حروفِ مدہ موجود ہوں آواز چھوٹی ادا کی جائے تو لفظ بگڑ جائے گا ،جیسا کہ اوپر دی گئی مثال سے ظاہر ہے۔اچھی آواز کے ساتھ تلاوت کا جو حکم ہے اس کی تعمیل کے لیے تو ان حروف مدہ کو نمایاں وقت دے کر پڑھنا زیادہ ضروری ہو جاتا ہے۔اس لیے اگر متحرک حرف کو پڑھنے کے لیے مثلاً ایک سیکنڈ لگتا ہے تو حرفِ مد کے ساتھ اسے پڑھنے کے لیے کم از کم دو سیکنڈز کا وقت درکار ہوگا تاہم ابتداء میں اسے تین سیکنڈ کا وقت دیا جائے تو بہتر ہوگا۔**اِيَّـاكَ نَـعْبُدُ** میں 'ی' کو نمایاں وقت دیا جائے گا تو درست بھی پڑھا جائے اور پڑھنے میں ایک لَے سی پیدا ہوگی؛ اگر اس کو مناسب طور پر لمبا ادا نہیں کریں گے تو اس سے بعد کا حرف 'كَ' بھی ڈھیلا ڈھالا ادا ہوگا ۔ دونوں حروف آواز کی لمبائی میں تقریباً ایک جیسے ادا ہوں گے تو لفظ بگڑ جائے گا۔ پڑھنے میں اس غلطی سے بچنے کے لیے کہا گیا ہے کہ حرفِ مد کی مشق کرواتے ہوئے تین

سیکنڈ کے برابر وقت دے کر پڑھا جائے۔ جب پڑھنے میں پختگی آجائے اور حدر کے انداز میں یعنی کم وقت میں زیادہ مقدار میں تلاوت کے لیے تیز پڑھنا پیشِ نظر ہو تو حرفِ مد کو دو حرکات کے وقت کے برابر وقت دے کر پڑھنا بھی درست ہوگا۔

حروفِ مدہ کی قائمقام حرکات: فتحہ اشباعیہ ٰ، ضمہ اشباعیہ ٗ، کسرہ اشباعیہ ٖ۔

عربی زبان کا طریق ہے کہ کسی چیز کو اگر نام دیتی ہے تو اس کی خاصیت کے اعتبار سے با معنیٰ نام دیتی ہے۔ حروف مدہ (ا ،وٗ ،یٗ) کو اس لیے حروف مدہ نام دیتے ہیں کہ ان میں مدّیّت یعنی لمبا کرنے کی خاصیت پائی جاتی ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لفظ میں حرفِ مد تو موجود نہیں ہوتا مگر مقام ایسا ہوتا ہے کہ آواز کو چھوٹا ادا کرنے سے لفظ بگڑ جاتا ہے۔ اس تقاضے کے پیشِ نظر آواز کو بڑھا کر ادا کیا جاتا ہے۔ مگر اس کیفیت کو حروفِ مدہ سے ظاہر نہیں کیا جاتا، کیونکہ رسمًا یعنی تحریرًا ایسے وہاں موجود نہیں ہوتے۔ چنانچہ آواز کو بڑھا کر ادا کرنے کی طرف اشارہ کے لیے حرکات کو مختلف انداز سے لکھا جاتا ہے مثلاً شعر ہے:

یـــا عیـــن فیـــض الـلـــه والـعـرفـــانٖ یسـعـــیٰ الیك الـخـلـق کـا لـظـمـــانٖ

اس شعر کے دونوں مصرعوں کے آخر میں لفظ 'عرفانِ اور ظمانِ ہے، یعنی دونوں جگہ نون کی حرکت کسرہ ہے؛ مگر وزنِ شعری کا تقاضا ہے کہ دونوں جگہ نون کو لمبا پڑھا جائے۔ چنانچہ یہاں حرکت کی شکل بدل کر (ٖ) اس سے یہ کام لے لیا گیا۔ اس کو عربی میں کہتے ہیں ''اشباع'' اور اسی مناسبت سے تینوں حرکات کو جبکہ وہ آواز کو بڑھا کر ادا کرنے کا کام کر رہی ہوں بالترتیب ''فتحہ اشباعیہ (ٰ)، ضمہ اشباعیہ (ٗ)، کسرہ اشباعیہ (ٖ)'' نام دیتے ہیں۔ عربی ادب کی طرح قرآن مجید میں بھی ان کا استعمال موجود ہے جو اپنے اندر گہری حکمتیں رکھتا ہے۔ چاہیے کہ ان حرکات کو جو بامعنیٰ نام دیے گئے ہیں وہی نام سکھائے جائیں۔

حروف لین (یعنی وْ ، یْ جن سے پہلے فتحہ ہو)

لین کے معنیٰ نرمی کے ہیں۔فتحہ کے بعد و ساکن جیسے **اَوْ** یا ی ساکن جیسے **بَیْ** ہوتو مفتوح حرف کی آواز کا آغاز فتحہ کے ساتھ ہی ہوگا، پھر وْ ہوتو آواز اسکے اوپر سے نرمی سے گذرتی ہوئی خم لے گی، اس 'وْ' کے ادا کرنے کے لیے لب ویسے ہی گول ہونگے جیسے کہ و مدہ کے پڑھنے کے لیے ہوتے ہیں۔اور یْ ہوتو آواز اس کے نیچے سے نرمی سے گذرتی ہوئی خم لیگی اور آواز نیچے کی جانب جاتی ہوئی ختم ہوگی جیسے کہ ی، مدہ کے پڑھنے میں ہوتی ہے۔

سوال: حروف مدہ اور حروف لین میں کیا چیز مشترک ہے اور کیا مختلف ہے؟

جواب: دونوں حروف وقت کے لحاظ سے برابر ہیں، یعنی حروف مدہ کو پڑھنے کے لیے اگر تین سیکنڈ درکار ہوتے ہیں تو حروف لین کو بھی تین سیکنڈ ہی دینا ہونگے جیسے **اَیْـدِیْکُمْ** ہمزہ کو اور دال کو پڑھتے ہوئے ایک سا وقت دینا ہوگا۔جبکہ شکل کے لحاظ سے دونوں کی آواز مختلف ہوتی ہے۔حروف مدہ کی آواز سیدھی اور حروف لین کی خمدار یعنی مڑتی ہوئی۔

قرآن کی تلاوت لکنت کو دور کرنے اور زبان میں طلاقت پیدا کرنے کا نسخہ ہے۔

خوبصورت کلماتِ قرآنی کو درست طور پر پڑھنا سکھانے کے لیے اب تک جو امور بیان کیے گئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) حروف کی مشق کے وقت اس مقصد کا حصول پیشِ نظر ہو کہ ہر حرف کی اپنی ایک امتیازی آواز ہے وہ سیکھی جائے، حروف تہجی پڑھتے ہوئے آواز قدرے لمبی ہو، تا کہ سیکھنے والے کو لَے کے ساتھ پڑھے کی مشق ہو، بعض مخصوص حروف کی آوازیں ادا میں قدرے موٹی ہوتی ہیں انکو اعتدال میں رہ کر موٹا ادا کیا جائے، اسی طرح باریک ادا ہونے والے حروف کو احتیاط کے ساتھ باریک ادا کیا جائے۔(۲) متحرک حروف کے حوالے سے بتلایا گیا تھا کہ ان کی مشق کرواتے وقت حروف کی امتیازی آوازوں کے ساتھ آواز پر ضبط اور کنٹرول سکھانا بھی پیشِ نظر رہنا

چاہیے(یعنی یہ کہ حرف لمبایا ڈھیلا ڈھالا ادا نہ ہو بلکہ چستی سے ادا کیا جائے)۔(۳) دو دو اور تین تین متحرک حروف کو پڑھانے کے حوالے سے بتلایا گیا تھا کہ حروف کی امتیازی آواز، آواز پر ضبط کے ساتھ ساتھ حروف کو ایک آواز کے ساتھ یعنی رواں پڑھنے کی مشق کروائی جائے۔(۴) ساکن حروف کے حوالے سے بتلایا گیا تھا کہ ان پر آواز کو ٹھہرا کر یعنی جما کر پڑھنے کی مشق کروائی جائے تا کہ حروف پر گرفت آئے اور ٹھیک سے ادا ہو سکیں۔نیز یہ کہ قلقلہ کی صفت والے حروف ''ق، ط، ب، ج، د کو انکے مخصوص انداز میں پڑھایا جائے (۵) حروف مدہ و لین کو پڑھاتے ہوئے مناسب حد تک وقت دے کر پڑھنے کی مشق کروائی جائے۔ یہ جملہ امور ایسے ہیں کہ انسان خواہ زمین کے کسی بھی خطّہ سے تعلق رکھتا ہو، انکے مطابق مشق کرے گا تو اس کے بولنے کے قویٰ اور اعضاء دونوں کی مشق ہوگی۔ یہ کوئی مفروضہ نہیں بلکہ ایک مجرب نسخہ ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک مجلس میں سیدنا حضرت مہدی معہود و مسیح موعود علیہ السلام جلوہ افروز تھے ایک شخص نے عرض کی کہ حضور میرے واسطے دعا کی جاوے کہ میری زبان قرآن شریف اچھی طرح ادا کرنے لگے۔قرآن شریف ادا کرنے کے قابل نہیں اور چلتی نہیں ۔میری زبان کھل جاوے۔فرمایا ''**تم صبر سے قرآن شریف پڑھتے جاؤ۔اللہ تعالیٰ تمہاری زبان کو کھول دیگا۔قرآن شریف میں یہ ایک برکت ہے کہ اس سے انسان کا ذہن صاف ہوتا ہے اور زبان کھل جاتی ہے۔ بلکہ اطبّاء بھی اس بیماری کا اکثر یہ علاج بتایا کرتے ہیں''**۔(ملفوظات جلد سوم صفحہ ۱۰۵)

حضرت مسیح موعودؑ نے تو افرادِ جماعت کو اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ قرآن کی اس خوبی کو اختیار کرتے ہوئے بولنا سیکھیں اور عمدہ بیانی کو معاشرے میں رواج دیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ''**قرآن مجید ایک ایسی غذا کی مانند ہے جو ہر طبقے ہر مزاج کے لوگوں کے مناسبِ حال ہے اور یہی اس کے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونے کا ثبوت ہے۔ہم چاہتے ہیں ہماری جماعت کے لوگ بھی بولنا سیکھیں۔ان کا طرزِ تقریر بھی ایسا ہی ہو کہ جیسا وہ اعلیٰ درجہ کے لوگوں کے لیے بھی مفید اور**

ادنیٰ کے لیے بھی فائدہ رساں ہے۔اصل میں کلام کی عمدگی یہی ہے کہ وہ ہر قسم کے لوگوں کے مطابقِ حال ہو"۔(ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۶۲۷)

نون ساکن (نْ) اور نونِ تنوین (ـً، ـٌ، ـٍ) کو پڑھنے کے مختلف طریقے

تنوین یعنی دو حرکات جو عربی اسماء کے آخری حرف پر آتی ہیں۔ پڑھنے کے لحاظ سے ان میں سے ایک تو حرکت ہوتی ہے اور دوسری نون ساکن (نْ) کا کام دیتی ہے۔(مثلاً کتابٌ پڑھنے کے اعتبار سے کتابُنْ ہے)۔نون ساکن اور نونِ تنوین کئی طریقوں سے پڑھا جاتا ہے اور طریق متعین ہوتا ہے ان کے بعد واقع ہونے والے حرف کی آواز سے۔اس نسبت سے حروف تہجی کی کچھ اقسام ہیں۔(۱) حروفِ حلقی(ء، ہ، ع ،ح ،غ، خ)(۲) لفظ یَرمُلونَ میں موجود حروف یعنی ی،ر ،م ، ل ، و ، ن (۳) ب اور (۴) دیگر حروفِ تہجی۔

نون ساکن اور نونِ تنوین کا اظہار

چھ حروف "ء ہ ع ح غ خ" حلق سے ادا ہوتے ہیں اس لیے انہیں حروف حلقی کہتے ہیں۔اگر ان میں سے کوئی حرف نون ساکن یا نونِ تنوین کے بعد آئے تو نون پر آواز اس طرح جما کر ادا کرتے ہیں کہ نون بالکل صاف اور واضح پڑھا جائے، مگر آواز لمبی نہ ہو۔اس طریقِ ادا کو اصطلاح میں کہتے ہیں "اظہار" جیسے **اَجْرٌ عَظِيْمٌ، اِنْ حسابُهم ، يَنْهَوْنَ عَنْهُ۔**

نون ساکن اور نونِ تنوین کا ادغام (ادغام، ادغامِ ناقص، ادغامِ تامّ)

'یرمُلونَ' (یعنی ی،ر ،م ، ل ، و ، ن) میں سے کوئی حرف نون ساکن یا نونِ تنوین کے بعد آئے تو نون کو اُس حرف میں تبدیل کر کے اس میں داخل کر دیا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں اس پر تشدید آ جاتی ہے۔جیسے مَنْ مَّعَكَ، كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ۔ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ،شَیْءٍ نُّكُرٍ۔ مَنْ يَّقُوْلُ، مِنْ وَّالٍ۔ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ، خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى۔ مِنْ رَّبِّهِم، خافِضةٌ رَّافِعَةٌ۔ فَاِنْ لَّمْ

تَفْعَلُوْا، هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ۔

نون کے ادغام کی اقسام (۱) ادغام ۔ نون کا نون اور میم میں ادغام صرف ادغام ہے ۔ چونکہ ادغام کے نتیجہ میں پڑھنے کے لحاظ سے ان میں علیحدہ سے کوئی خاصیت پیدا نہیں ہوتی ،انہیں عام میم مشدد اور نون مشدد کی طرح پڑھا جاتا ہے، اس لیے اس ادغام کو علیحدہ سے نام بھی نہیں دیا جاسکتا۔ (تاہم بعض علماء اسے ادغامِ تام میں شامل کرتے ہیں اس دلیل کی بناء پر کہ نون مکمل طور پر بعد کے حرف میں داخل ہوجاتا ہے)۔(۲)**ادغامِ ناقص ۔** نون ساکن یا نونِ تنوین کے بعد (دوسرے لفظ میں) **و،ی** ہوں تو ادغام ہوتا ہے اور ان پر تشدید آتی ہے مگر غنّہ کی آواز ادا کی جاتی ہے گو یا غنّہ کی صورت میں نون کا کچھ وجود باقی رہتا ہے۔یعنی نون ان میں ملتا تو ہے مگر کامل طور پر نہیں ناقص طور پر ملتا ہے لہٰذا اسے **ادغامِ ناقص** کہتے ہیں۔(۳)**ادغامِ تام۔** نون ساکن یا نونِ تنوین کے بعد **ل،ر** ہوں تو ادغام ہوتا ہے ان پر تشدید آتی ہے اور نون پڑھنے کے اعتبار سے مکمل طور پر ان میں مل جاتا ہے۔لکھا موجود ہوتا ہے مگر پڑھنے میں خالصۃً **ل، ر** ہی پڑھا جاتا ہے ،اس لیے **ادغامِ تام** کا اسے نام دیا جاتا ہے۔

تراخی (یعنی مشدد حرف پر آواز کو نہایت ملائمت سے کھینچنا اور لمبا ادا کرنا)۔اصول مخارج میں 'خیشوم' کا ذکر گذرا ہے۔اس سے غنّہ ادا ہوتا ہے۔اس مخرج کا ادغامِ ناقص میں استعمال ہوتا ہے۔ **و،ی** جن میں کہ نون کا ادغام ہوتا ہے منہ کے سامنے کے حصّہ سے ادا ہوتے ہیں جبکہ غنّہ خیشوم یعنی ناک کی جڑ سے ادا ہوگا ؛ اس تک آواز کو پہنچنے کے لیے وقت درکار ہوگا ،جس کے نتیجہ میں آواز لمبی ہوگی۔ اس طرزِ ادا کو اصطلاح میں تراخی کہتے ہیں۔نون اور میم مشدد کو بھی تراخی کے انداز میں پڑھا جاتا ہے ۔مختصر یہ کہ ادغامِ ناقص میں اور نون ،میم مشدد میں آواز غنّہ کے ساتھ لمبی ادا ہوتی ہے اسے **تراخی** کہتے ہیں۔

نوٹ: یَرْمُلُوْن کا مطلب ہے کہ وہ خوبصورتی اور قرینہ سے کلام کرتے ہیں۔اس لفظ

میں موجود حروف کے ساتھ نون ساکن اور نونِ تنوین کا خاص طرز پر استعمال ظاہر کرتا ہے کہ عربی کلمات بالخصوص قرآنِ مجید کے کلمات اور جملے اپنی ترکیب میں خاص حسن رکھتے ہیں۔ان کو اگر درست طریق پر پڑھا جائے تو یہ حسن وخوبی ظاہر ہوتی ہے اور تلاوت میں حسن پیدا کرتی ہے۔

نون ساکن اور نونِ تنوین کا اقلاب، اخفاءِ شفوی

نون ساکن اور نونِ تنوین کے بعد 'ب' آئے تو پڑھنے میں آسانی پیدا کرنے کے لیے نون کو میم ساکن میں بدل دیتے ہیں۔اس تبدیلی کو اقلاب یا قلب کہتے ہیں۔مثلاً **اَنبـئهـمْ** میں نون کے بعد 'ب' ہے اور نون کا ادا کرنا مشکل ہے، لہٰذا نون کو میم میں بدل دیں گے **اَنْم بَئَهُم شقاقِ م بَعيدٍ**۔نون سے تبدیل شدہ اس میم پر آواز کو ٹھہرا کر قدرے لمبا ادا کیا جاتا ہے۔

اخفاءِ شفوی۔ میم ساکن کے بعد 'ب' آئے تو میم پر آواز کو ٹھہرا کر لمبا ادا کیا جاتا ہے تا کہ اس کا غنّہ نمایاں ادا ہو جیسے **تَرْمِيهِمْ بِحِجارةٍ** ،**اَنْم بَئَهُم** میں۔اس طرزِ ادا کو اخفاءِ شوی کہتے ہیں۔

نون ساکن اور نونِ تنوین کا اخفاء

نون ساکن اور نونِ تنوین کے بعد 'حروفِ حلقی، حروفِ یرملون اور ب' کے علاوہ کوئی حرف آئے، تو نون کو پڑھنے کے لیے اس پر آواز کو نرمی سے ٹھہراتے ہوئے خیشوم یعنی ناک کی جڑ کی طرف لے جائیں گے، اس طرح آواز غنّہ کے ساتھ لمبی ادا ہوگی۔اس طرزِ ادا کو اخفاء کہتے ہیں۔اس سے آواز میں ترنّم آتا اور نغمگی پیدا ہوتی ہے؛ جو قرآنی عبارت کا خاصّہ ہے۔ اس کی مشق میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ نون کو ادا کرتے ہوئے زبان کی نوک سامنے کے اوپر والے مسوڑھوں پر نرمی سے لگی رہے اور غنہ پیدا کرنے کے لیے آواز خیشوم کی طرف جائے۔بعض پڑھنے والے اخفاء کی ادا کے لیے لبوں کو گول کرتے ہیں یا نون کو اس کے مخرج سے ادا کرنے کی بجائے خیشوم سے ہی ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس سے خوبصورت کی بجائے ادا میں بدنمائی آتی ہے۔لہٰذا اسے مہارت کے ساتھ سیکھنا سکھانا چاہیے۔

نوٹ: **تراخی** یعنی آواز کو **و، ی** مشدد سے پہلے نون کی وجہ سے نرمی سے غنّہ پیدا کرتے ہوئے ادا کرنا، اسی طرز پر نون مشدد اور میم مشدد کو پڑھنا۔ **اخفاء** یعنی نون ساکن اور نونِ تنوین کو خاص موقع پر غنّہ کے ساتھ اور وقت دے کے پڑھنا۔ **اخفاءِ شفوی** یعنی میم ساکن (**مْ**) کو اس کے بعد '**ب**' کی وجہ سے غنّہ کے ساتھ لمبا ادا کرنا۔ یہ سب ایسے امور ہیں جو آواز میں نغمگی اور لے پیدا کرتے ہیں۔ ان کو تکلف کہہ کر تخفیف کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ کیونکہ ان کے صحیح طور پر اپنانے سے قرآنی عبارت کا صوتی حسن ظاہر ہوتا ہے۔ مأ مورِ زمانہ تو قرآن کریم کی اس خوبی کو اپنانے کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔ چنانچہ آپؑ نے ایک موقع پر فرمایا ''قرآن شریف کو بھی خوش الحانی سے پڑھنا چاہیے۔ بلکہ اس قدر تاکید ہے کہ جو شخص قرآن شریف کو خوش الحانی سے نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اور خود اس میں ایک اثر ہے عمدہ تقریر خوش الحانی سے کی جائے تو اس کا بھی ایک اثر ہوتا ہے۔ وہی تقریر ژولیدہ زبانی سے کی جائے تو اس میں کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جس شئے میں خدا تعالیٰ نے تاثیر رکھی ہے اس کو اسلام کی طرف کھینچنے کا آلہ بنایا جائے تو اس میں کیا حرج ہے۔ حضرت داؤدؑ کی زبور گیتوں میں تھی جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ جب حضرت داؤدؑ خدا تعالےٰ کی مناجات کرتے تھے تو پہاڑ بھی ان کے ساتھ روتے تھے اور پرندے بھی تسبیح کرتے تھے۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۵۲۴)

خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام کی قراءت لہر دار اور پرسوز ہوتی تھی چنانچہ آپؑ کے فرزند حضرت قمر الانبیاء مرزا بشیر احمدؓ اس کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں ''خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی آواز میں بہت سوز تھا۔ اور آپ کی قراءت لہر دار ہوتی تھی۔'' (سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۶۱) قرآنِ مجید کی باطنی دلکشی کے ساتھ ساتھ اسکے ظاہری دلربا حسن کا تذکرہ کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

کہتے ہیں حسنِ یوسف دلکش بہت تھا لیکن　　　خوبی و دلبری میں سب سے سِوا یہی ہے

علامتِ تشدید (ّ) اور مشدد حروف کے درست پڑھنے کا طریق اور اہمیت۔

عربی کلمات میں اور بالخصوص قرآن مجید کی درست تلاوت کے لیے علامتِ تشدید (ّ) کا صحیح استعمال بہت اہمیت رکھتا ہے۔ تشدید کے معنیٰ مضبوط بنانے کے ہیں۔ جس حرف پر یہ علامت ہو، اسے مشدد کہتے ہیں۔ لفظ تشدید میں 'شدّت اور زور' کا معنیٰ بھی پایا جاتا ہے۔ مگر قرآنی الفاظ کے ادا کرنے میں اس معنیٰ کو کوئی دخل نہیں۔ قرآن مجید کو خوبصورت پڑھنا ہے اس کے ساتھ زور آزمائی نہیں کرنی۔ اس لیے شاگرد کو یہ سکھانا چاہیے کہ مشدد حرف کو مضبوطی کے ساتھ پڑھیں۔ مشدد حرف پر آواز کو ٹھہرانے سے اس کے پڑھنے میں مضبوطی آجائے گی۔ مشدد حرف درمیان میں آئے تو عربی طرزِ ادا اختیار کرنے کے لئے اسکی تشدید پچھلے حرف کے ساتھ پڑھی جائے اور اس کی حرکت بعد والے حرف کے ساتھ۔ مثلاً: **اِطَّهَّرَ** کو اس طرح پڑھیں گے **اِطْ طَهْ هَرَ۔ اِصَّدَّقَ** کو **اِصْ صَدْ دَقَ** پڑھیں گے۔ آواز کو ٹھہرانے سے مراد اس کا حرف پر جما کر اور ٹکا کر ادا کرنا ہے (لمبا ادا کرنا مراد نہیں) ۔ اس انداز سے پڑھنے سے مشدد حروف مضبوطی سے اور با آسانی درست پڑھیں جائیں گے۔ خواہ مسلسل کتنے ہی حروف پڑھنے ہوں۔ اس امر کا ذکر پہلے گذر چکا ہے کہ چار مقامات ایسے ہیں کہ جہاں مشدد حروف کو پڑھتے ہوئے ان پر آواز ٹھہرانے کے ساتھ نرمی سے، غنّہ کی آواز بناتے ہوئے لمبا ادا کیا جاتا ہے۔ **وّ، یّ** پر جیسے **مَنْ يَّقُوْلُ، مِنْ وَّالٍ۔ نّ، مّ** پر جیسے **اِنَّ، مِمَّ۔** (مشدد حروف پر مشتمل الفاظ کی مشق جس طرح نئے سیکھنے والوں کے لیے اہم ہے، خواہ وہ نوعمر ہوں یا بڑی عمر کے ہوں اسی طرح ان کے لیے بھی اہم ہے جو کافی عرصہ سے قرآن مجید پڑھ رہے ہوں اور وہ تلفظ اور تلاوت کو بہتر بنانے کے خواہاں ہوں۔ لہٰذا مشدد حروف کے سبق کو احتیاط سے پڑھانے کے علاوہ اس امر کو یقینی بنانا چاہیے کہ سیکھنے والا ان اسباق کی خاطر خواہ مشق کر لے)۔

مدّ زائد: مدّ منفصل، مدّ متّصل۔ مدّ عارض للسکون۔ مدّ معنوی

مدّ زائد سے مراد ہے: حروفِ مدہ، ان کی قائمقام حرکات اور حروفِ لین کو کسی موقع پر خاص

اصول کے مطابق معمول سے زیادہ وقت دے کر پڑھنا۔الف سے پہلے فتحہ ہو جیسے (**تَــا**) واؤ ساکن سے پہلے ضمّہ ہو جیسے (**تُـوْ**) اور یاء ساکن سے پہلے کسرہ ہو جیسے (**تِـیْ**) تو یہ حروف پچھلی آواز کو لمبا کرتے ہیں۔ان حروف میں جو مدّ پائی جاتی ہے اسے **مدّ اصلی** یا **مدِّ طبعی** کہتے ہیں۔حروفِ مدّہ کی قائم مقام حرکات یعنی ''فتحہ اشباعیہ ٰ، ضمّہ اشباعیہ ٗ، کسرہ اشباعیہ ٖ۔ نیز حروفِ لین بھی حروف مدّہ کی طرح وقت لیتے ہیں۔حروف مدّہ اور انکی قائم مقام حرکات کے بعد اگر ہمزہ ہو تو وہ اس مد اصلی کو مزید لمبا بنا دیتا ہے۔ جسے مجموعی طور پر مدّ زائد یا مدّ فرعی کا نام دیا جاتا ہے۔اس کی علامت تلوار نما یا لہر کی شکل کی ہوتی ہے(ٓ)۔جہاں مدّ زائد کی علامت ہو وہاں مدِّ اصلی کو نمایاں طور پر زیادہ وقت دیا جائے تو لفظ خوبصورت ادا ہوتا ہے، اس طرزِ ادا سے الفاظ کے معانی کی شوکت بھی ظاہر ہوتی ہے

۔اَلَآ اِنَّھُم، سَوَآءُ۔لَا یسْتَحْیٓ اَنْ

حروفِ مدّہ اور انکی قائم مقام حرکات کے بعد حرف ساکن یا مشدد آجائے، اور وہاں حرفِ مدّ کو باقی رکھنا ضروری بھی ہو تو وہاں بھی مدِّ زائد آتی ہے۔جیسے **آلْئٰن، ضَآلِّیْن**۔

ایسا لفظ جس کے آخری حرف سے قبل حرفِ مد ہو اور وقف کے لیے آخری حرف کی حرکت کو سکون سے بدلا جائے تو اس سکون کی وجہ سے اس کی آواز کو مزید لمبا ادا کریں گے۔اس کو **مدِ عارض للسکون** یعنی سکون کی وجہ سے پیدا ہونے والی مد کہتے ہیں۔(تَــعْــلَــمُــوْنْ) حروف لین بھی اسی ذیل میں آتے۔یعنی حرفِ لین کے بعد ساکن حرف آجائے تو حرف لین کو زیادہ وقت دے کر پڑھتے ہیں۔جیسے ''**جَنَّتَین**، یا حروف مقطعات میں جیسے **ع** 'یعنی **عَینْ** میں ہوتا ہے۔

(نوٹ:سکون کی وجہ سے پیدا ہونے والی مدّ زائد حروف مقطعات میں بھی آتی ہے)۔

مدّ معنوی: کسی لفظ میں موجود حرفِ مدّ کو اس لفظ کے معنیٰ اور شوکت کو نمایاں کرنے کے لیے قدرے زیادہ وقت دیا جاسکتا ہے۔اسے مدّ معنوی کہتے ہیں۔یعنی ایسی مدّ زائد جو معنیٰ کو نمایاں کرنے کے لیے پڑھنے کی حد تک پیدا کی گئی ہے۔

حروفِ مدّ ہ کولہر دار آواز کے ساتھ نمایاں لمبا ادا کرنا آواز میں خوبصورتی پیدا کرتا ہے۔مگر جن لوگوں نے اردو لہجہ میں ناظرہ سیکھا ہوا ہوتا ہے وہ بالعموم آواز کو لمبا کھینچنے سے کتراتے ہیں۔اور مدّ زائد کی علامت کے موجود ہونے کے باوجود انہیں آواز کو کھینچ کر، لمبا ادا کر کے پڑھنا دوبھر لگتا ہے۔رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو طریق یہ تھا کہ آپ لہردار اور خوبصورت آواز میں تلاوت فرمایا کرتے تھے ۔چنانچہ روایت ہے کہ حضرت انسؓ سے رسولِ کریم ﷺ کی قرائت کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو آپ نے بتایا کہ کانت مَدًّا، ثُمَّ قَرَاَ ﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾ یمدّ بسم الله،و یمدّ بالرحمٰن، و یمدّ بالرحیم۔ (صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن حدیث نمبر ۵۰۴۶) بخاری کے اسی باب میں روایت نمبر ۵۰۴۷ میں ہے؛ عبداللہ ابن مغفّل بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے اور وہ آپ کو لیے چل رہی تھی، یقرأ سورۃ الفتح قراءۃً لیّنۃً،یقرأُ و ھو یرجّع۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرمارہے تھے اور آپ کی تلاوت میں نہایت نرمی اور ملائمت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت میں درد اور سوز و گداز تھا۔ بخاری کتاب المغازی میں بھی یہ روایت درج ہے اس روایت میں اضافی امر یہ ہے کہ حضرت ابن مغفل نے فرمایا''اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ لوگ میرے گرد آ جمع ہوں گے تو میں بالکل ویسے ہی پڑھ کر سناتا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے میں نے سنا تھا۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ تو یہ ہے کہ آپ قرآنی کلمات کو حظّ اور سرور اٹھاتے ہوئے خوبصورت آواز میں نرمی اور ملائمت سے آواز کو زیر و بم دے کر پڑھا کرتے تھے۔مأ مور زمانہ حضرت مسیح موعودؑ نے بھی اس اسوہ ءنبوی کے اپنانے کی تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش الحانی سے قرآن سنا تھا اور اس پر روئے بھی تھے... ہمیں خود خواہش رہتی ہے کہ کوئی خوش الحان حافظ ہو تو قرآن سنیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کام کا نمونہ دکھلا دیا ہے وہ ہمیں کرنا چاہیے۔ سچے مومن کے واسطے کافی ہے کہ دیکھ لیوے کہ یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے کہ نہیں۔اگر

نہیں کیا تو کرنے کا حکم دیا ہے یا نہیں؟ (ملفوظات جلد سوم صفحہ۱۶۲) حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی تلاوت کے بارہ میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی روایت قبل ازیں درج کی جاچکی ہے ۔آپ فرماتے ہیں'' حضرت مسیح موعودؑ کی آواز میں بہت سوز تھا۔اور آپ کی قرائت لہردار ہوتی تھی۔

مأ مورِ زمانہ کے مقرر کردہ امام الصلوٰۃ حضرت مولوی عبدالکریم کا مصری لہجہ میں تلاوت کرنا

حضور اقدسؑ نے نمازوں کی امامت کے لیے حضرت عبدالکریم سیالکوٹیؓ کو مقرر فرمایا ہوا تھا، جو بہت خوش لحن تھے اور مصری طرز اور لہجہ پر قرآن مجید پڑھتے تھے۔چنانچہ آپؓ کی تلاوت کی اثر انگیزی کا ذکر مؤلف کتاب''مجدد اعظم'' درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں''مولوی عبدالکریم صاحب نماز کی امامت کرایا کرتے تھے۔اور جب سے قادیان ہجرت کر کے آئے تھے خدا جانے ان کی آواز میں کیا اثر آ گیا تھا کہ نماز میں ان کی قرآن خوانی واقعی ایک جادو کا اثر رکھتی تھی۔سیالکوٹ شہر میں اہلِ حدیث کی مسجد کے امام تھے۔خاکسار مؤلف (کتاب مجدد اعظم) بھی اس زمانہ میں اہل حدیث تھا اور نماز جمعہ پڑھنے کے لیے اہل حدیث کی مسجد میں جایا کرتا تھا۔مولوی صاحب موصوف خطبہ اچھا پڑھا کرتے تھے اور نماز میں قرآن ایک جذبہ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔مگر آواز میں نہ خوش الحانی تھی نہ کوئی اثر تھا۔لیکن قادیان آ کر خدا جانے کیا معجزہ صادر ہوا کہ قرآن خوانی کے وقت آواز میں وہ خوش الحانی اور اثر آ گیا تھا کہ سننے والے کا دل پانی پانی ہو جاتا تھا۔اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو بہہ پڑتے تھے ۔قرآن نہایت جذبہ کے ساتھ مصری لہجہ میں پڑھتے تھے۔'' (مجدد اعظم حصہ اوّل صفحہ۱۵۹ مؤلفہ محترم ڈاکٹر بشارت احمد صاحب)

آپؓ حضرت مسیح موعودؑ کے وہ سلطانِ نصیر ہیں کہ جنہوں نے جلسہ مذاہب عالم میں حضور کا معرکۃ الآراء مضمون''اسلامی اصول کی فلاسفی'' پڑھا تھا۔اس امر کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں''مولوی عبدالکریم صاحبؓ بیمار تھے۔اس لیے مضمون پڑھنے

کے لیے خواجہ کمال الدین صاحب کو تیار کیا جارہا تھا۔لیکن خواجہ صاحب انگریزی خوان تھے،قرآن شریف عربی لہجہ میں پڑھ نہ سکتے تھے۔آخر وقت پر مولوی عبدالکریم صاحب نے پڑھ کر جلسہ پر لاہور میں سنایا۔(سیرت المہدی جلد دوم صفحہ ۳۶۱) گویا قرآن عربی طرز پر عمدہ پڑھنے کی خوبی کی وجہ سے ،علالت کے باوجود آپؓ کو رہتی دنیا تک قائم رہنے والے الٰہی نشان کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کی سعادت مل گئی۔قادیان کی سرزمین پر تلاوت میں اثر انگیزی پیدا ہونے کا ذکر ہؤا ہے تو خود حضور اقدس علیہ السلام کی خدا کے حضور مقبول قرآن خوانی کا ذکر بھی ہو جائے۔حضورؑ کے ایک رفیق حضرت منشی ظفر احمد کپورتھلوی بیان کرتے ہیں ''ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی۔حسّو خاں احمدی جو پہلے وہابی تھا،اس کو دیکھا کہ وہ بھی کھڑا ہے۔اوراس نے شکایۃً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ یہ (یعنی خاکسار) یارسول اللہ! آپ کی حدیثوں کو نہیں مانتے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **مرزا صاحب میرے فرزند ہیں۔اور جب وہ قرآن پڑھتے ہیں میری روح تازہ ہو جاتی ہے اور میری طرف منہ کر کے فرمایا کہ مرزا صاحب سے کہیں کہ وہ کچھ قرآن شریف سنائیں۔**''(سیرت المہدی جلد دوم صفحہ ۱۲۹) یہ اپنے رفقاء میں قرآن سے محبت کی روح پھونکنے والا وہ برگزیدہ وجود ہے جس نے قرآن کو کعبہ کا مقام دے کر اس سے والہانہ عشق کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی روشنی میں اس سے رشد و ہدایت پا کر آگے جاری کی۔

ہمزہ وصلی:اسے پڑھتے ہوئے تینوں حرکات کے استعمال کا موقع ومحل!

عربی الفاظ کے شروع میں بعض اوقات الف ہوتا ہے۔اگر لفظ علیحدہ پڑھنا ہو تو یہ الف ہمزہ کے طور پر پڑھا جاتا ہے۔اگر اس سے پہلے کوئی لفظ آجائے تو یہ پڑھنے کے اعتبار سے ساقط ہو جاتا ہے۔اس الف کو ہمزہ وصلی کہتے ہیں۔لفظ وصل کے معنیٰ ہیں ملانا،ہمزہ وصلی کا مطلب ہؤا ملانے والا ہمزہ۔جیسے **ذٰلِکَ الْكِتَابُ** میں **اَلْـكتاب** ،**قُلْ هُوَ الله** میں **اَللہ** ۔اگر ان جملوں میں سے الفاظ ' **الـکتاب، الله** 'کو علیحدہ بولیں گے تو انکے شروع کا'ا' ہمزہ پڑھا جائے گا

۔ہمزہ وصلی پر تینوں حرکات آسکتی ہیں۔معیاری ناظرہ پڑھنے والے کو بخوبی معلوم ہونا چاہیے کہ اس پر کس موقع پر کونسی حرکت آنی ہے!۔

فتحہ َ کا استعمال: اگر تو لفظ کے شروع میں 'ال' اضافی ہوں جیسے **رحمٰن** سے **الرحمٰن** **رحیم** سے **الرحیم** تو ایسے الفاظ کے ہمزہ وصلی کو فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے گا۔**الّذین ،الّتی** وغیرہ الفاظ کا ہمزہ وصلی بھی فتحہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

ضمہ ُ کا استعمال: اگر لفظ کے شروع میں صرف ہمزہ وصلی 'ا' ہو تو اس کے بعد دوسرے حرف کی حرکت کو دیکھیں گے اگر ضمہ ہے تو اس ہمزہ کو ضمہ کے ساتھ پڑھیں گے جیسے؛ **اذْکُرْ ، انْظُرُوْا، اسْجُدِیْ** کسرہ ِ کا استعمال: اگر لفظ کے شروع میں صرف ہمزہ وصلی 'ا' ہو اور اس کے بعد دوسرے حرف کی حرکت فتحہ َ یا کسرہ ِ ہو تو دونوں صورتوں میں اسے کسرہ کے ساتھ پڑھیں گے۔اس میں کچھ استثناء ہے، جو شاذ کے طور پر ہے جیسے **واذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ** میں لفظ **اِسْم** ہے **قَالَ ائْتُوْنی** میں لفظ **اِئْتُوْنی** ہے۔ان الفاظ میں ہمزہ وصلی کسرہ سے ہی پڑھا جائے گا۔(یاد رہے کہ فتحہ َ کا استعمال ہم نے صرف ایسے لفظ میں کرنا ہے جس کے شروع میں ال اضافی ہو)۔ ہمارے ہاں چونکہ ناظرہ بہت بچپن میں ہی سکھا دیا جاتا ہے اس لیے اس قسم کے امور نہیں سکھائے جاتے اور پھر سمجھداری کی عمر میں بھی ان کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔مثلاً ایت: یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ... پڑھتے ہوئے **الصبر** تک پڑھیں گے تو اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ لفظ **اٰمنوا** سے دوبارہ پڑھیں گے، حالانکہ **استعینوْا** سے پڑھنا چاہیے تا پڑھے جانے والے الفاظ میں معانی قائم رہیں ،مگر چونکہ اس کے ہمزہ وصلی پر کوئی علامت نہیں ہے اس لیے اس سے پڑھنے کی طرف توجہ نہیں جاتی۔اساتذہ کو چاہیے کہ ان امور کو مدّ نظر رکھیں اور سمجھدار بچوں کو سکھائیں ۔اور عملی مشق بھی کروائیں۔ان امور کو سکھانے اور یاد دہانی کی خاطر بڑی عمر کے افراد کے لیے مختصر دورانیہ کے ریفریشر کورسز کا اہتمام کیا جانا چاہیے۔

تنوین سے بدلا ہؤا نون (جسے نون قطنی نام دیا جاتا ہے) تنوین کو ہمزہ وصلی کے ساتھ پڑھنا۔

تنوین والے لفظ کو ہمزہ وصلی والے لفظ کے ساتھ پڑھنا ہو تو تنوین کے نون کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے اسے نون کی شکل دے دی جاتی ہے مثلاً **قَـدِيْــرُ الَّـذِي** کو اکٹھا پڑھنا ہو تو **قَدِيْرُ نِ الَّذِي** اور **مُرِيْبِ الَّذِي** کو **مُرِيْبِ نِ الَّذِي** پڑھیں گے۔ اس نون کو جو در اصل تنوین کا نون ہے 'نون قطنی' کا نام دیا جاتا ہے۔ قَطَنَ بِالْمكان کا مطلب ہے وہ کسی جگہ قیام پذیر ہؤا۔ اَلْــقُـطْـنِـى قائم رہنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ نون قطنی کا مطلب ہؤا قائم رہنے والا نون۔ اساتذہ کو چاہیے کہ شاگرد کو پہلے اس نون کی اصلیت اچھی طرح سمجھا دیں اور ذہن نشین کروا دیں کہ در اصل یہ تنوین کا نون ہے۔ تنوین والے لفظ کو ہمزہ وصلی والے لفظ کے ساتھ براہِ راست ملا کر پڑھا جائے تو تنوین کا نون پڑھنے سے رہ جاتا ہے، اور تنوین کی علامت اور سادہ حرکات میں فرق اور امتیاز باقی نہیں رہتا۔ اس لیے نونِ تنوین کو ظاہری نونِ مکسور (نِ) کی شکل میں ڈھال لیا جاتا ہے۔ اس نون کے لکھنے کے دو طریقے ہیں، ایک یہ کہ جس لفظ کا یہ نون ہو اسی کے آخری حرف پر تنوین کی دو حرکات کی بجائے ایک حرکت ڈالی جائے اور دوسری حرکت کی جگہ اس نون کو لکھ دیا جائے جیسے **قَـدِيْــرُ نِ الَّذِي** ۔ دوسرا طریق اس نون کے لکھنے کا یہ ہے کہ اس کے بعد والے لفظ کے شروع میں موجود ہمزہ وصلی کے نیچے لکھا جائے۔

نونِ تنوین پڑھنے کے لحاظ سے بھی مواقع کے اعتبار سے مختلف طریقوں سے پڑھا جاتا ہے۔

(۱) اس لفظ پر جس کا یہ نون ہو وقف کیا جائے اور اس کی تنوین ضمہ یا کسرہ کے ساتھ ہو تو یہ ختم ہی ہو جائے گی اور آخری حرف ساکن پڑھا جائے گا۔

(۲) لفظ جس کی تنوین فتحہ والی ہو تو وقف کی صورت میں نونِ تنوین کو الف بنا کر پڑھا جائے گا؛ مثلاً **سواءً** کو وقف کی صورت میں **سواءَ ا** پڑھیں گے۔

(۳) فتحہ والی تنوین کو لکھنے کا طریق یہ ہے کہ اس کے ساتھ بالعموم الف لکھا جاتا ہے جیسے خَيْــــرًا۔

اسے ہمزہ وصلی والے لفظ کے ساتھ پڑھیں گے تو اس کی ایک فتحہ پڑھی جائیگی۔ الف پڑھنے میں نہیں آئے گا۔ اور اس کی دوسری فتحہ کو نون مکسور کی صورت میں پڑھیں گے۔ سورۃ البقرۃ میں ہے ''**اِنۡ تَـرَکَ خَيۡرَا نِ الۡوَصِيَّة** لفظ **خَيۡرَا** پر وقف نہ کریں تو اس کا الف پڑھنے میں نہیں آئے گا نونِ تنوین جو نون کی شکل میں لکھا ہؤا موجود ہے پڑھا جائے گا۔

وقف کے طریق۔ وقف، وقفہ، سکتہ۔ امالہ :

خوش الحانی کا تقاضا ہے کہ پڑھتے ہوئے رُکیں تو یا تو آواز بالکل ٹھہر جائے یعنی ساکن ہو یا آواز لمبی ادا ہو۔ آخری حرف کی صرف حرکت پڑھ کر چھوٹی آواز کے ساتھ وقف کر لینا عربی اصول اور خوش الحانی کے تقاضے کے منافی ہے۔ مثلاً اِ ھْدِ نا لصراط المستقیم میں المستقیمَ پڑھ کر نہیں رک سکتے آخری میم کی فتحہ ختم کرنا ہوگی 'المستقیمْ'۔ اسی طرح آخری حرف کو ساکن کر کے ہم بغیر وقف کیے تلاوت جاری نہیں رکھ سکتے مثلاً قُلْ ھُوَ اللهُ اَحَدُ اَللّٰهُ الصَّمَدُ پڑھتے ہوئے لفظ **اَحَـــــدْ** پڑھ کر یعنی آخری حرف کی تنوین ختم کر کے اسے ساکن پڑھ کر فوراً ہی اگلا لفظ نہیں پڑھنا چاہیے، بلکہ اس پر پوری طرح ٹھہرنا ہے؛ اور اگر اگلے جملے کو اس کے ساتھ ہی پڑھنا ہے تو لفظ **اَحَــد** کی تنوین ختم کرنے کی بجائے اس کے نون کو نون مکسور بنا کر **اَحَـدُ نِ الـلّـهُ الصَّمَد** پڑھیں گے۔

تلاوت کے دوران وقف کرتے وقت مندرجہ ذیل طریقوں کو مدّنظر رکھا جاتا ہے۔

(۱) لفظ جس پر وقف کرنا مقصود ہو اس کے آخر میں حرکت ہوگی اسے سکون میں بدل دیں گے۔ (۲) اگر ضمّہ یا کسرہ والی تنوین ہوگی (ٌ ،ٍ) اسے بھی سکون سے بدل دیں گے۔ (۳) لفظ جس پر وقف کرنا مقصود ہو اس کے آخر میں متحرک حرف سے پہلے حرفِ مد ہو تو آخر کو ساکن کرنے کی وجہ سے اس سے پہلے والے حرفِ مد کو معمول سے زیادہ لمبا پڑھتے ہوئے اس حرف پر آواز کو ٹھہرائیں گے۔ جیسے تَعۡلَمُوۡنَ سے تَعۡلَمُوۡنۡ ہ (۴) لفظ جس پر وقف کرنا مقصود ہو اسکے آخر میں

اگر تشدید ہوتو اس کی حرکت تو ختم ہوگی مگر تشدید کی وجہ سے اسے مضبوطی سے ہی پڑھیں گے، اسے ساکن حرف کی طرح نہیں پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ مشدد حرف دو چند ہوتا ہے، لہٰذا اسے دو ساکن حروف کے برابر وقت دے کر پڑھیں گے۔ مثلاً کَسَبَ سے کَسَبْ ہ اور تَبَّ سے تَبّ ہ ان الفاظ میں 'ب' کی ادائیگی میں فرق ہوگا۔ اسی طرح 'ی' پر تشدید ہو تو اس پر بھی آواز کو ٹھہرا کر پڑھیں گے۔ اسے حرفِ مد یا لین کے طور پر نہیں پڑھیں گے۔ جیسے رَبِّ اغْـفِـرْ لـی وَ لِـوَالِـدَیَّ سے وَالِـدَیّ ہ (۵) نون مشدد اور میم مشدد پر وقف کرتے ہوئے انہیں تراخی کی صفت کے ساتھ یعنی ان پر آواز نرمی سے ٹھہراتے ہوئے وقت دے کر پڑھیں گے۔ جیسے فیہِن سے فیہِـنہ جَان سے جَآنّ ہ۔

وقف، سکتہ ، وقفہ، امالہ:

وقف: اسسے مراد ہے کہ تلاوت کرتے ہوئے ایک جملہ یا آیت پڑھ کر ٹھہرنا اور نئے سانس کے ساتھ تلاوت جاری رکھنا۔ علامتِ وقف پر اگر رکیں تو اس کے بعد کے جملے سے تلاوت جاری رکھیں گے، اور اگر وہاں وقف کی علامت نہیں تو واپس جا کر ایک دو الفاظ لیں گے اور تلاوت جاری رکھیں گے۔

سکتہ: سکتہ کے معنیٰ خاموش اور ساکت ہونے کے ہیں۔ اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ تلاوت کرتے ہوئے کلمہ کے آخری حرف پر سانس توڑے بغیر آواز روکنا اور پھر اسی سانس میں تلاوت جاری رکھنا۔ مثلاً: **وَقِیـلَ مـنْ رَاق** (سورہ قیامہ)۔ ادغام کے قاعدہ کے مطابق یہاں مَرَّاقٍ پڑھا جانا چاہیے مگر اس طرح پڑھنے سے نفسِ مضمون ظاہر نہیں ہوتا۔ جبکہ نون پر تھوڑے سے توقُّف سے یعنی سانس کو جاری رکھتے ہوئے اس پر آواز کو معمولی سا روکنے سے جو کیفیت بنتی ہے اس سے اس میں موجود مضمون ادا ہوتا ہے اس لیے قرآن مجید میں مَنْ کے بعد 'سکتہ' یا 'س' کی علامت ہوتی ہے: **وَقِیلَ منْ** سکتہ **رَاق ، کَلَّابلْ** سکتہ **ران۔** (المطفّفین) **مـنْ مَّـرْقَدِنا** سکتہ

ھٰذا ما وعد الرحمٰن (یٰس) **لَمْ يَجْعَلْ لَّه عِوَجَا** سکتہ **قَيِّمًا** (الکھف)

وقفہ: لفظ وقفہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ وقف + ہ ہے اور اس میں 'ہ' سکتہ کی ہے۔ اس لیے جہاں وقفہ کی علامت ہو وہاں آواز اس طور سے روکیں جیسے وقف ہو مگر سکتہ کی طرح یہاں بھی سانس جاری رہے۔ آواز کا روکنا اگر بہت کم وقت کے لیے ہو تو یہ سکتہ کہلاتا ہے۔ اگر آواز کو کسی قدر زیادہ وقت کے لیے روکا جائے، مگر سانس جاری رکھتے ہوئے پڑھتے چلے جائیں تو یہ وقفہ کہلائے گا۔ اردو میں اسے توقُّف اور انگلش میں pause کہہ سکتے ہیں۔ سکتہ میں آواز روکنے کا دورانیہ انتہائی قلیل ہوتا ہے، گویا یہ رواں پڑھنے کے قریب ہے جبکہ وقفہ میں آواز روکنے کا دورانیہ نسبتاً زیادہ ہوتا ہے، گویا وہ وقف کے قریب تر ہے۔ مثلاً: **وَ اعْفُ عنَّا** وقفہ **وَاغْفِرْ لنا** وقفہ **وارحمنا** وقفہ **اَنت مولٰنا۔**

امالہ: اس کے معنیٰ لغت میں جھکانے اور مائل کرنے کے ہیں۔ اصطلاح میں امالہ کہتے ہیں فتحہ کو کسرہ کی طرف یا اس کے ساتھ بعد والے الف کو بھی 'یا' کی طرف جھکا کر اس طرح پڑھنا کہ نہ تو وہ خالص فتحہ اور الف ہی رہے اور نہ ہی خالص کسرہ اور 'یا' بن جائے۔ بلکہ ان دونوں کی درمیانی حالت ہو جیسے اردو میں زیرِ مجہول اور یائے مجہول بعد از کسرہ و فتحہ ادا کرتے ہیں جیسے عَیب، خَیر، سَویرے ۔امالہ کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔ (۱) امالہ صغریٰ: یعنی تھوڑا جھکانا۔ اس طرح کہ زبر اور الف کا حصہ زیادہ اور کسرہ اور 'یا' کا حصہ کم ہو جیسے سَیر، عَیب۔ (۲) امالہ کبریٰ: یعنی زیادہ جھکانا کہ کسرہ اور یا کا حصہ زیادہ اور فتحہ اور الف کا حصہ کم ہو۔ یہ امالہ صغریٰ اور خالص کسرہ کے درمیان درمیان ہوتا ہے۔ اس کی مثال اردو میں قطرے، فِیل، جِیل کی طرح ہے۔ قرآن مجید کی مروجہ قراءت میں ایک مقام میں ہی اللہ تعالیٰ نے اس کا استعمال محفوظ کروایا ہے؛ سورہ ہود میں ہے ﴿**بسـم اللـه مـجرٖـها**﴾ لفظ دراصل مـجرٰی ہے اس کی 'ر' کی فتحہ اشباعیہ، امالہ کے قاعدہ کے مطابق **ی** کی طرف مائل کرکے پڑھیں گے ''مجرے ھا'' اسکا وقت حرفِ مد کے برابر ہی ہوگا۔ اسے قرّاء امالہ کبریٰ

کے طریق پر ہی پڑھتے ہیں۔
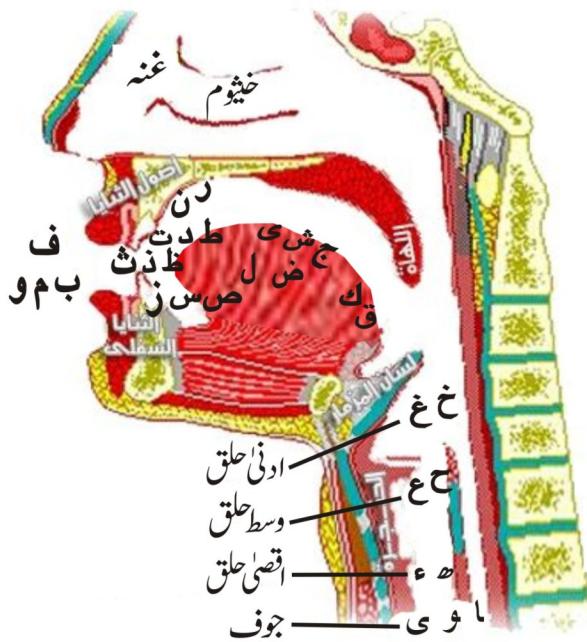
نوٹ: قرآنی عبارت میں جہاں وقفہ اور سکتہ کی علامت ہو اور اوپر بیان کردہ طریق پر پڑھیں گے، تو جس لفظ پر سکتہ اور وقفہ کیا جائے گا اس میں وقف کی طرح حسبِ موقع تبدیلی واقع ہوگی۔

قرآنی الفاظ کو عمدہ طور پر ادا کرنے کی اہمیت:

وقف، وقفہ، سکتہ اور امالہ کی اصطلاحات اور ان کے طریقِ استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ علماءِ ربانی نے اللہ تعالیٰ کے نازل فرمودہ الفاظ اور آیات کو ان کے مفہوم کے مطابق کیفیات کے ساتھ پڑھنا اپنے بزرگوں سے سیکھا اور انہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طور سے پڑھنا سیکھا۔ پھر ہماری سہولت کے لیے اصطلاحات و علامات متعارف کروا دیں۔ الفاظِ قرآنی کو محبت سے، خوبصورتی سے اور نکھار سنوار کر ادا کرنا اسوہءِ نبوی ہے، چنانچہ اُمّ المؤمنین حضرت اِم سلمہ سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے بارے میں دریافت کیا گیا، راوی کہتے ہیں ثـمّ نـعتـت قِـراءَ تَه، فَاِ ذا هی تـنـعـت قـراءـۃَ مـفسَّرۃَ حرفًا حرفًا ؛یعنی آپؓ نے بتایا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت تو ایسی ہوتی تھی کہ آپؐ الفاظ کو نرمی و ملائمت سے خوب کھول کر ادا فرماتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت میں حرف حرف نمایاں اور ممتاز سنائی دیتا تھا۔ (ترمذی ابواب فضائل القرآن حدیث نمبر ۲۹۲۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خوبصورت اسوہ قائم کرنے کے علاوہ ابلاغ کا حق ادا کرتے ہوئے یہ اہتمام بھی فرما رکھا تھا کہ عامۃ الناس میں تلاوت کلام الٰہی کو اعلیٰ سے اعلیٰ معیار پر لایا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمدہ تلاوت تدریس قرآن کی نگرانی، معیار کا جائزہ لینا۔

اس امر کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ تحریر فرماتے ہیں ’’جیسا کہ بتایا جا چکا ہے یہ لوگ اپنی اپنی مجالس میں رات دن قرآن سناتے تھے چنانچہ حافظ ابو یعلیٰ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! ابو موسیٰ اپنے گھر میں بیٹھے ہیں اور

بہت سے لوگ ان کے گرد جمع ہیں، اور وہ ان کو قرآن یاد کرار ہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم مجھے وہاں کسی ایسی جگہ پر بٹھا سکتے ہو جہاں سے وہ لوگ مجھے نہ دیکھ سکیں، اس نے کہا ہاں اس پر وہ شخص رسول اصلی اللہ علیہ وسلم کو لے گیا اور گھر کے کسی ایسے کونہ میں جا کر بٹھا دیا جہاں لوگوں کو آپؐ نظر نہیں آتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوموسیٰ کی قراءت کو سنا تو وہ بالکل درست تھی اور بہت اچھی طرح وہ قرآن پڑھا رہے تھے۔ اس پر آپ نے فرمایا انه لیقرء علیٰ مزامیر داؤدؑ وہ تو داؤدؑ کے خوبصورت طریق پر قرآن پڑھ رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، علاوہ ان چار حافظوں کے جن کو آپ نے استاذ الاساتذہ مقرر کیا تھا، باقی لوگوں کی قراءت کا بھی امتحان لیتے رہتے تھے اور انکی نگرانی رکھتے تھے تاکہ وہ کوئی غلطی نہ کر بیٹھیں''۔ (دیباچہ تفسیر القرآن صفحہ ۲۷۳) پس بعض لوگوں کا یہ خیال کہ قرآن مجید کے الفاظ اور عبارت کو درست تلفظ کے ساتھ پڑھنے کو رواج دینے کی ضرورت نہیں، کلامِ الٰہی کے ساتھ سراسر نا انصافی ہے۔ قرآن مجید کے تقدّس واحترام کو ملحوظ رکھنا، اسکی تلاوت خوش الحانی سے کرنا، اسکے الفاظ اور جملوں کے معانی کی اثر انگیزی کا آپ کے جسم وروح سے اظہار؛ یہ کلامِ الٰہی کی تلاوت کے وہ ادبی تقاضے ہیں جو رسول کریم ﷺ کے اسوہ سے ثابت ہیں۔ ایک تلاوت کرنے والے کو انہیں مدِ نظر رکھنا چاہیے، اور اپنی انتہائی صلاحیتوں کی حد تک اپنے اندر یہ ملکہ پیدا کرنے کے لیے بدل و جاں کوشاں رہنا چاہیے۔ انہیں تقاضوں کو یاد دلانے کے لیے قرآنِ مجید کے عربی متن پر حرکات، سکون، تشدید، علامتِ مدّ زائد وغیرہ علامات لگائی گئیں، رموزِ اوقاف ایجاد کیے گئے نیز تجوید کے قواعد وضع کئے گئے۔ ان امور سے اپنی انتہائی صلاحیت کی حد تک فائدہ اٹھانا، شانِ کلامِ الٰہی کا پاس ولحاظ کرنے والے کیلئے واجب بلکہ ازبس ضروری ہے۔

مخارج وصفاتِ حروف سے متعلق چارٹس:۔

ا۔ مخارج:

مَخْرَج کا مطلب ہوتا ہے 'نکلنے کی جگہ' اور مَخَارِج، مخرج کی جمع ہے یعنی منہ سے حروف کے نکلنے کی جگہیں۔ عربی زبان کے کل حروف 29 ہیں جو درج ذیل ہیں:

الف	ء	ہ	ع	ح	غ	خ	ق	
ک	ج	ش	ی	ض	ل	ن	ر	
ط	د	ت	ظ	ذ	ث	ص	ز	
س	ف	و	ب	م				

☆ مخارج کل 17 ہیں جن میں سے 16 سے نکلنے والے حروف کو اوپر دی گئی تصویر میں دکھایا گیا ہے۔ 17 واں مخرج خَیْشوم (ناک کی جڑ میں ہڈی والا حصہ) ہے جہاں سے غنہ نکلتا ہے۔

☆ کسی حرف کا مخرج معلوم کرنے کیلئے حرف کو ساکن کر کے شروع میں أ لگا کر پڑھیں، جہاں اسکی آواز ٹھہرے وہی اسکا مخرج ہوگا۔

(مثلاً اَدْ کہنے سے زبان کی نوک ثنایا علیا کی جڑ سے لگ کر ٹھہرتی ہے جو کہ د کا مخرج ہے۔)

مخارج الحروف کی تفصیل

1. و.ی.ا
(واومدّہ، یائے مدّہ اورالف)
یہ تینوں حروف جَوفِ دَھن یعنی منہ کے خلاء سے نکلتے ہیں۔

2. ء.ہ اَقصٰی حَلق سے

3. ع.ح وَسط حَلق سے

4. غ.خ اَدنَی حَلق سے

5. ق زبان کی جڑ اورلَہات کے مقابل تالُو سے نکلتا ہے۔

6. ک ق کےمَخرج سے ذرا نیچے مُنہ کی جانب زبان کی جڑ کے قریب اوراس کے مقابل تالو سے اَدا ہوتا ہے۔

7. ج.ش اور ی (یعنی یائے متحرک اوریائے لین):
زبان کے درمیان اور اس کے مقابل تالُو کے مِلاپ سے اَدا ہوتے ہیں۔

8. ض زبان کاحافہ (زبان کا حصہ جو داڑھوں سے لگتا ہے) جب دائیں یابائیں جانب یا بیک وقت دونوں جانب اُوپر والی پانچ داڑھوں سے مِلے تو یہ حَرف اَدا ہوتا ہے۔

9. ل ثَنَایا، رَبَاعی اورانَیَاب اور ضَوَاحک کےدائیں یابائیں جانب یا بیک وقت دونوں جانب کے مسوڑھوں کے ساتھ طرف زبان کے مِلنے سے یہ حَرف ادا ہوتا ہے۔

10. ن ثَنَایا، رَبَاعی اورانَیَاب کے مسوڑھوں کےساتھ طرفِ زبان (زبان کا گول کنارہ جو بارہ دانتوں سے لگتا ہے) کے مِلنے سے یہ حَرف ادا ہوتا ہے۔ (ض، ل کی طرح ن بھی تین طریقوں سےادا کیا جاسکتا ہے)

11. ر زبان کی پشت اوراس کا کنارا جب ثَنَایا اوررَبَاعی کے مسوڑھوں سے مِلے تو یہ حَرف ادا ہوتا ہے۔
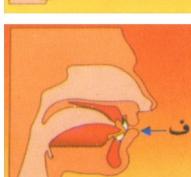
12. ط.د.ت زبان کی نوک جب ثَـنَـایَـا عُـلیا کی جڑ سے لگےتو یہ حَروف اَدا ہوتے ہیں۔

13. ظ.ذ.ث زبان کی نوک جب ثَـنَـایَـا عُلیا کے کنارے سے ملےتو یہ حَروف اَدا ہوتے ہیں۔
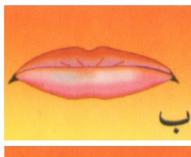
14. ص.ز.س زبان کی نوک جب ثَـنَـایَـا سُفلیٰ کے کنارے سےٹکرانے کے ساتھ ثَـنَـایَـا عُلیا سے بھی لگےتو یہ حَروف اَدا ہوتے ہیں۔
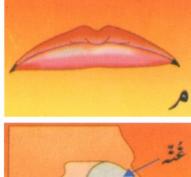
15. ف ثَـنَـایَا عُلیا کے کنارے اور نچلے ہونٹ کے اندرونی حِصّے ملنے سے یہ حَروف اَدا ہوتے ہیں۔

16. و (متحرک اور لین) ب. م
یہ حَروف دونوں ہونٹوں سےادا ہوتے ہیں۔

و دونوں ہونٹوں کو گول کرنے سے۔
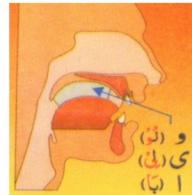
ب ہونٹ کے اندرونی تری والے حصّے ملانے سے۔
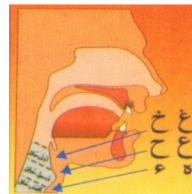
م ہونٹ کے بیرونی خوشکی والے حصّے کے ملانے سے ادا ہوتا ہے۔
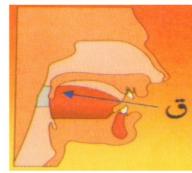
17. غنّہ یہ خَیشوُم یعنی ناک کی ہڈی سے ادا ہوتا ہے۔

صفاتِ حروف　　صفاتِ لازمہ غیر متضادہ

صفت سے مراد مخرج سے حرف کو ادا کرتے وقت پائی جانے والی کیفیت ہے۔اس کی جمع صفات ہے اور اسکی دو اقسام ہیں: لازمہ اور عارضہ

صفت لازمہ وہ کیفیت جو حرف میں ہمیشہ پائی جائے اور بولتے وقت اگر اسکو ادا نہ کیا جائے تو وہ حرف، حرف ہی نہ رہے یا ناقص ادا ہو۔

پھر اس کی دو قسمیں: (1) صفت لازمہ متضادہ　　(2) صفت لازمہ غیر متضادہ۔

صفت لازمہ غیر متضادہ یہ وہ لازمی کیفیتیں ہیں جن کا پایا جانا تو ضروری ہے مگر ان میں آپس میں ضدیت اور تقابل نہیں ہے بلکہ جدا جدا ہیں۔

1. قلقلہ حرف کی ادائیگی کے وقت ساکن ہونے کی حالت میں آواز کا ہلنا۔ یہ پانچ حروف ہیں جن کا مجموعہ قُطُبُ جَدٍّ ہے۔

2. تَفَشِّیُ حرف کی ادائیگی کے وقت آواز کا منہ میں پھیلنا۔ یہ صِفَتْ صرف ''ش ''میں ہوتی ہے۔

3. اِسۡتِطَالت حرف کی ادائیگی کے وقت زبان کے حافہ کو اوپر کی پانچوں داڑھوں پر لگانا اور مخرج میں آواز کو دراز کرنا۔ یہ صفت صرف ''ض ''میں ہوتی ہے۔

4. صَفِیُر حرف کی ادائیگی کے وقت سیٹی کی سی آواز کا نکالنا۔ یہ صفت صرف ص، ز اور س میں ہوتی ہے۔ان کو حروف صَفیُریہ کہتے ہیں۔

5. لِیُن یہ صرف ''واؤ لین ''یا ''یاء لین '' سے متعلقہ ہے کہ ان کو ایسی نرمی سے ادا کرنا کہ آواز بند بھی نہ ہو اور حرفِ مدہ کی طرح لمبی بھی نہ ہو۔

6. اِنۡحِرَاف یہ صفت صرف ''لام ''اور ''راء ''میں ہوتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی دائیگی میں دوسرے کے مخرج کی طرف مائل ہوتا ہے۔

7. تَکۡرِیُر یہ صفت صرف ''راء ''میں ہے کہ اس کو ادا کرتے وقت ''کنارۂ زبان ''میں کپکپی سی ہونا۔

صفت عارضہ وہ کیفیت جو حرف میں کبھی ہو کبھی نہ ہو اور بولتے وقت اگر ادا نہ کی جائے تو حرف تو وہی رہے مگر اسکی خوبصورتی نہ رہے جیسے پُر پڑھنا، باریک پڑھنا، ادغام، اظہار، غنہ، اقلاب، اخفاء، مد، تحقیق، تسہیل، ابدال، حذف، اثبات وغیرہ۔

صفاتِ حروف　　　صفاتِ لازمہ متضادہ

صفات لازمہ متضادہ: اسکی 5 اقسام ہیں اور ہر قسم میں دو ایسی صفات ہیں جن میں سے ایک کا حرف میں ہونا لازم ہے جبکہ دونوں اکٹھی نہیں ہوسکتیں۔

(1) آواز اونچی/نیچی ہونا　(2) آواز میں سختی/نرمی ہونا　(3) موٹا/باریک ہونا
(4) منہ بھر کر/منہ کھل کر ادا ہونا　(5) آواز پھسلنے/جمنے والی ہونا

2. صفات لازمہ متضادہ (جن میں ایک دوسرے کی ضد پائی جاتی ہے) کے اصطلاحی نام مع تعریف:

1. ہَمْس حرف کی آواز ایسی کمزور ہو کہ اس میں پستی پائی جائے۔ کل 10 حروف مَھْمُوْسَہ ہیں جن کا مجموعہ یہ ہے: فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتَ۔

2. جَہْر حرف کی آواز ایسی قوت والی ہو کہ اس میں بلندی پائی جائے۔ باقی 19 حروف مَجْھُوْرَہ ہیں۔

3. شِدَّت حرف کی آواز میں ایسی سختی ہو کہ سکون کی حالت میں آواز بن ہو جائے۔ 8 حروف شَدِیْدَہ ہیں جن کا مجموعہ اَجِدُكَ قَطَبْتَ۔

4. رِخْوَت حرف کی آواز میں ایسی نرمی ہو کہ سکون کی حالت میں آواز جاری رہ سکے۔ لِنْ عُمَرُ اور اَجِدُكَ قَطَبْتَ کے علاوہ باقی حروف رِخْوَہ ہیں۔

نوٹ: شدت اور رخوت کے درمیان میں آواز کے ہونے کو تَوَسُّطْ کہتے ہیں اور ایسے حروف پانچ ہیں جن کا مجموعہ لِنْ عُمَر ہے۔

5. اِسْتِعْلَاء حرف ادا کرتے وقت زبان کی جڑ اوپر تالو کی طرف اُٹھے جس سے آواز موٹی ہو جاتی ہے۔ 7 حروف مُسْتَعْلِیَہ ہیں خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ۔

6. اِسْتِفَال حرف ادا کرتے وقت زبان کی جڑ اوپر کی طرف نہ اُٹھے۔ مُسْتَعْلِیَہ کے سوا سب حروف مُسْتَفِلَہ ہیں۔

7. اِطْبَاق حرف ادا کرتے وقت درمیانِ زبان تالو سے مل جائے جس سے آواز منہ بھر کر نکلے۔ حروفِ مُطْبِقَہ 4 ہیں: ص، ض، ط، ظ۔

8. اِنْفِتَاح حرف ادا کرتے وقت درمیانِ زبان اور تالو کھلا رہے یعنی آواز کھل کر نکلے۔ مُطْبَقَہ کے سوا باقی حروف مُنْفَتِحَہ ہیں۔

9. اِذْلَاق ادائیگی کے وقت حرف کا پھسلتے ہوئے جلدی سے ادا ہو جانا۔ چھ حروف مُذْلِقَہ ہیں جن کا مجموعہ فَرَّ مِنْ لُبٍّ ہے۔

10. اِصْمَات حرف کی ادائیگی کے وقت ٹھہراؤ اور جماؤ سے نکلنا۔ مُذْلِقَہ کے علاوہ تمام حروف مُصْمِتَہ ہیں۔

باب سوم: علمِ اوقاف

رموزِ اوقاف کی اقسام: وقفِ تام، وقفِ کافی، وقفِ حسن

علاّ مہ جلال الدین سیوطیؒ نے ارشادِ باری ﴿ وَرَتِّـلِ الْـقُـرْآنَ تَـرْتِيْـلا ﴾ کے تعلق میں اپنی جلیل القدر تالیف الاتقان میں حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے "التـرتيـل تـجويد الحروف و معرفة الـوقـوف"، یعنی ترتیل حروفِ قرآنی کو عمدہ اور خوبصورت ادا کرنے اور وقف کے مقامات کو جاننے کا نام ہے۔ حضرت علیؓ نے تو براہِ راست رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم سے کلامِ پاک سیکھا تھا آپؓ کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم جب قرآن مجید سکھاتے، صحیح اور عمدگی سے پڑھنا سکھاتے تھے۔ اور اس انداز سے پڑھتے اور پڑھاتے تھے کہ عبارت کا مفہوم بھی ادا ہوتا چلا جائے۔ اسی طریق کو امت نے جاری رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے پنجگانہ نمازوں کی فرضیت کے ذکر میں یہ ارشاد فرما کر کہ "اور صبح کے وقت قرآن کے پڑھنے کو بھی لازم پکڑ"، ہر مومن پر باقاعدگی سے متنِ قرآنی کی تلاوت فرض فرمادی۔ اور رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم نے اس حد تک اس کی تاکید فرمائی کہ اگر نیند کی وجہ سے کسی مومن کی معمول کی تلاوت رہ جائے تو وہ بعد میں تلاوت کر لے۔ چنانچہ حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مـن نـام عن حزبه او عن شيءٍ منه فقرءَهٗ ما بين صلاة الفجر و صلاة الـظهـر كتـب لـه كأنّما قراَهٗ من الليل (سنن ابی داؤد ابواب قیام اللیل حدیث نمبر ۱۳۱۳) یعنی جس کی قرآن مجید کے معمول کے مقررہ حصّہ کی تلاوت یا اسکا کچھ حصّہ رہ جائے اور وہ اسے نمازِ فجر اور نمازِ ظہر کے درمیان کسی وقت پڑھ لے تو اللہ کے حضور ایسے لکھا جائے گا گویا اس نے رات کو پڑھ لیا۔ الٰہی تقدیر کے مطابق امت مسلمہ میں ایسے نیک اور برگذیدہ علماء پیدا ہوتے رہے جو زندگی بھر قرآن مجید کی خدمت پر ہی وابستہ رہے۔ چنانچہ انہوں نے قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے قواعد وضع کیے۔ الفاظِ قرآنی کو ٹھیک طور پر ادا کرنے کے لیے اعراب اور دیگر علامات

وضع کیں اور عربی نہ جاننے والوں کے لیے اس کلام کو مفہوم کے مطابق پڑھنے کی سہولت فراہم کرنے کی خاطر علاماتِ وقف بھی ایجاد کیں۔

آیاتِ قرآنی تو توقیفی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے خود حضرت جبریلؑ کے ذریعہ رسول اللہ صلی علیہ و آلہ وسلم وسکھائیں اور آپ نے تحریر کروائیں۔ روایات میں صحابہؓ کا بیان درج ہے کہ ہمیں قرآن میں موجود حلال وحرام، تہدید وتبشیر اور وقف و وصل کے بارِہ میں تعلیم دی جاتی تھی۔ قرآنی طباعت میں اب بھی کہیں وقف النبی اور وقفِ جبریل لکھا ہوا ملتا ہے۔تاہم رموزِ اوقاف موجودہ صورت میں بعد میں ایجاد ہوئے۔کہتے ہیں آیت کی علامت دائرہ 'ہ' ابوالاسود دولی نے متعارف کروائی جو لفظ 'آیۃ' سے لیا گیا ہے۔بعض دیگر رموز ابوعبداللہ محمد بن طیفور سجاوندی کی ایجاد ہیں (اردو دائرہ معارف زیرِ لفظ قرآن)۔ان رموز کے لگانے میں قرآنی عبارت کے مضمون اور مفہوم کا اظہار پیشِ نظر رکھا گیا۔اسی لیے یہ دو چار نہیں بلکہ لگ بھگ اٹھارہ ہیں۔

رموزِ اوقاف: یہ رموز تین اقسام میں منقسم ہیں ا۔وقف تام ۲۔وقف کافی ۳۔وقف حسن

وقف تام: اس سے مراد ایسے لفظ پر وقف ہے کہ اس کا مابعد نہ تو اس لفظ سے اور نہ ہی اس سے ما قبل کے ساتھ براہِ راست کوئی لفظی یا معنوی تعلق رکھتا ہو جیسے سورہ الانعام میں ہے:" إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُونَ ط وَالْمَوْتَى يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ "(الانعام آیت ۲۷) لفظ "**یسمعون**" پر ایک بات مکمل ہوگئی ہے اور اگلے جملے میں دوسری بات بیان ہوئی ہے۔لہٰذا" **یسمعون**" ط پر وقف تام ہے۔وقف تام میں آیت کی علامت کے علاوہ دو علامات "م ،ط" آتی ہیں۔

وقف کافی: اس سے مراد ایسے لفظ پر وقف ہے کہ اس کا مابعد اس سے اور نہ ہی اس سے ما قبل کے ساتھ کوئی لفظی تعلق رکھتا ہو۔تاہم معنوں کے لحاظ سے ان کا باہم تعلق ہو۔جیسے سورۃ البقرہ کے شروع میں ہے۔"وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ ج وَبِالآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُون "اس میں لفظ "**من قبلک**" میں متقیوں کے بارہ میں ایک بات کہی گئی، مگر اس سے اگلا جملہ بھی انہیں کی ایک

صفت کے بیان میں ہے لہٰذا من قبلک پر وقف تام نہیں وقف کافی ہوا۔ وقف کافی کے ذیل میں صرف 'ج' کی علامت ہی آتی ہے۔

وقف حسن: اس سے مراد ایسے لفظ پر وقف ہے کہ اس کا مابعد اس سے یا اس سے ماقبل کے ساتھ لفظی اور معنوی تعلق رکھتا ہو لیکن اس موقوف علیہ لفظ پر بھی ایک حد تک بات مکمل ہوتی ہو جیسے ''أُولَـئِكَ عَلَى هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ق وَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ''۔ ''**من ربهم**'' میں متقین کے متعلق ایک بات کہی گئی مگر اگلے جملے میں بھی انہیں سے متعلق بات ہے لہٰذا ''**من ربهم**'' پر وقف حسن ہے۔ وقف حسن کے زمرہ میں درج ذیل علامات آتی ہیں:

''ز، ص، ق، قف، صلے، قلے، صل''۔ ان علامات کی علیحدہ علیحدہ وضاحت درجِ ذیل ہے۔

م: یہ لفظِ ''لازم'' کا مخفف ہے۔ یہ علامت ایسے موقعہ پر ہوتی ہے جہاں پر معنوی لحاظ سے مضمون پورا ہو جاتا ہے۔ اس جگہ نہ ٹھہرا جائے تو احتمال ہوتا ہے کہ دو مضامین باہم خلط ملط ہو جائیں، اس لئے یہاں وقف لازم قرار دیا گیا ہے۔

ط: یہ لفظ ''مطلق'' کا مخفف ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ بات پوری ہو گئی۔ پڑھنے والے کو وقف کر لینا چاہیئے۔

ج: یہ لفظ ''جائز'' کا مخفف ہے۔ یہاں وصل اور وقف دونوں روا ہیں۔ ٹھہرنا بہتر ہے۔

نوٹ: جب کہا جائے کہ وقف جائز ہے یا وقف کیا جا سکتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ جہاں وقف کیا ہے اس سے آگے سے ہی آپ تلاوت جاری رکھ سکتے ہیں۔ جہاں یہ ذکر آئے گا کہ اس علامت پر وقف جائز نہیں وہاں یہ مراد ہوگی کہ اگر آپ کو یہاں رکنا پڑے تو آپ کو لوٹا کر یعنی پیچھے سے کچھ الفاظ لے کر تلاوت جاری رکھنی ہوگی۔

ز: یہ لفظ ''مجوز'' کا مخفف ہے۔ یہاں وقف کی وجہ بھی موجود ہوتی ہے اور وصل کی

بھی۔لیکن وصل کی جہت زیادہ قوی اور واضح ہوتی ہے۔گویا وقف جائز ہے مگر نہ ٹھرنا بہتر ہے۔

ص: یہ لفظ ''مــرخــص'' کامخفف ہے۔مراد یہ ہوتی ہے کہ یہاں دونوں باتوں کا باہمی تعلق ہے۔ہاں معنوں کے لحاظ سے ہر بات مستقل حیثیت بھی رکھتی ہے۔یہاں چاہیئے تو ملا کر پڑہنا تاہم وقف بھی جائز ہے۔

ق: یہ ''قیل علیه الوقف'' (کہتے ہیں یہاں وقف ہے) کامختصر ہے گویا یہاں بھی وقف جائز ہے تاہم یہ علامت ضعفِ وقف کی طرف اشارہ کرتی ہے۔نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔

قف: یہ ''یــقف عــلـیــه الـواقف'' (ٹھرنے والا یہاں ٹھرتا ہے) کامختصر ہے۔گویا وقف جائز ہے لیکن اگر وقف نہ کیا جائے تو مطلب نہیں بگڑتا۔

قلے: یہ ''الــوقف اولٰـی'' کامختصر ہے۔جس کے معنی ہیں کہ وقف بہتر ہے تاہم وصل میں بھی کوئی حرج نہیں۔

صلے: یہ ''الوصل اولٰی'' کامختصر ہے جس کے معنی ہیں کہ وصل بہتر ہے۔وقف بھی جائز ہے۔

صل: ''قــد یــوصــل'' کامختصر ہے جس کے معنی ہیں کہ کبھی کبھی ملا کر پڑھا جاتا ہے۔گویا اس علامت پر بھی وقف جائز ہے۔

لا: یہ ''لا یوقف علیه/لا تَقِفْ'' کامختصر ہے جس کے معنی ہیں کہ یہاں ٹھرا نہیں جاتا/مت ٹھہرئیے،مراد یہ ہے کہ اگر یہاں ٹھرنا پڑے تو ابتدا مابعد سے نہ کی جائے بلکہ ماقبل سے اعادہ کیا جائے۔اگر یہ علامت آیت کی علامت کے اوپر ہو تو وقف جائز ہے۔

ک: یہ لفظ ''کذٰلک'' کامخفف ہے جس کے معنی ایضاً ہیں یعنی گزشتہ علامتِ وقف کا سا معاملہ ہے۔

مع: یہ لفظ ''معــانقه'' کامخفف ہے جس کا لفظی معنی گلے ملنا ہے۔دو مقامات پر تین

نقطے لگائے جاتے ہیں۔ یہ اس امر کو ظاہر کرتے ہیں کہ مضمون کے اعتبار سے ان نقطوں میں گھرے ہوئے لفظ ، جملے یا آیت کا تعلق ماقبل سے بھی ہے اور مابعد سے بھی۔ سورۃ البقرۃ کے آغاز میں ہے: لَا رَيۡبَ فِيۡهِ هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ اس میں لفظ **فیه** پہلے جملے کے ساتھ بھی لگ کر مفہوم دیتا ہے اور بعد والے کے ساتھ بھی۔ آیت کی مثال: (كَمَا أَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ.......) (البقرہ آیت نمبر ۱۵۲)

اس امر کو اس طرح بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ''ایسے مقام کی دو تفسیریں ممکن ہیں۔ ایک تفسیر کے مطابق وقف پہلی جگہ ہو گا اور دوسری تفسیر کے مطابق دوسری جگہ، اسی بنا پر اسے ''مراقبہ'' بھی کہتے ہیں جس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ پڑھنے والا احتیاط سے غور کر کے وقف کا تعین کر لے۔ معانقہ کے بارہ میں بالعموم کہا جاتا ہے کہ دونوں جگہوں میں سے کسی ایک پر وقف کرنا چاہیئے۔ پہلی جگہ وقف کریں تو دوسری جگہ پر نہ کریں۔ اسی طرح اس کے برعکس۔ (معانقہ، مراقبہ دونوں الفاظ میں تین نقطے ہیں کہتے ہیں اسی بناء پر اس مقام پر تین نقطے لگائے جاتے ہیں)

س: یہ لفظ ''سکتہ'' کا مخفف ہے۔ تلاوت کے دوران آواز کو قدرے روک کر مضمون کے تقاضے کے پیشِ نظر خاص کیفیتِ ادا کے اختیار کرنے کو سکتہ کہتے ہیں جس میں ذرا سا توقف ہوتا ہے سانس نہیں توڑا جاتا ہے۔

وقفہ: مضمون کے تقاضے کے پیشِ نظر تلاوت کے دوران آواز کو روک کر خاص کیفیتِ ادا کے اختیار کرنے کو وقفہ کہتے ہیں جس میں توقف یعنی آواز کو روکنا ذرا زیادہ ہوتا ہے مگر سانس نہیں توڑا جاتا۔ گویا وقفہ وقف کے اور سکتہ وصل کے قریب تر ہے۔ (کہتے ہیں لفظ وقفہ میں 'ہ' سکتہ کی ہے اور یہ دراصل وقف+سکتہ ہے، وقف کی طرح اس پر آواز کو روکنا ہے اور سکتہ کی طرح اس پر سانس جاری رکھنا ہے)

رموزِ اوقاف کے بارہ میں عمومی وضاحت: وسیع وعریض کائنات اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جس پر غور کر کے سائنسدان آئے دن حیرت انگیز انکشافات سے محظوظ ہوتے ہیں اور مسلسل نئی نئی تحقیقات سامنے آتی چلی جاتی ہیں۔اس کے مقابلے میں قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا قول ہے جو ارشاد باری ''لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي '' کا مصداق ہے۔اس میں بھی لامتناہی پہنائیاں، بے پناہ گہرائیاں اور بے شمار پنہائیاں ہیں۔اس کلام کا احاطہ کرنے کا دعویٰ ایسے ہی ہے جیسے کل کائنات کا احاطہ کرلیا جائے جو ظاہر ہے محض ایک دعویٰ ہوگا۔چنانچہ قرآن مجید کے بارہ میں علماء ربانی نے غور وتدبر کر کے اس کے معنی سمجھنے کی کوشش کی ہے اور ان معانی ہی کے پیش نظر رموزِ اوقاف مقرر کئے ہیں۔

یہ رموز قرآن مجید کی بعض طباعتوں میں علامت آیت ''ہ'' کے اوپر بھی لکھے ہوئے ملتے ہیں اور بعض اوقات ایک ہی جگہ دو یا تین بھی لکھے ہوتے ہیں۔اسی طرح آیت کی علامت کے اوپر بعض مقامات پر ''لا'' لکھا ہوتا ہے۔حالانکہ ''لا'' کے معنی تو ہیں کہ یہاں وقف نہیں ہے۔جبکہ آیت کی علامت تو سب سے پختہ علامتِ وقف ہے۔اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ دراصل یہ رموز عبارت کے مفہوم اور تفسیری نکات کو ظاہر کرتے ہیں۔اور قرآن مجید کے کئی بطون ہیں۔اس لحاظ سے کئی رموز کا ایک جگہ لکھا جانا یا آیت کی علامت پر ''لا'' لکھنا تعجب انگیز نہیں رہتا۔مادی کائنات پر تو غور وفکر جاری ہے۔قرآن مجید پر اللہ تعالیٰ نے غور وفکر کی دعوت دی ہے فرمایا۔

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ۔[ص ۳۰]

یعنی یہ ایک کتاب ہے جسے ہم نے تیری طرف نازل کیا ہے۔سب خوبیون کی جامع ہے۔تاکہ وہ اس کی آیات پر غور کریں۔

باب چہارم: تلاوت کے مختلف انداز: تحقیق، تدویر، حدر، ترتیل

تحقیق: علماء اور ماہرین نے قرآن مجید کی تلاوت کا اشتیاق رکھنے والوں کے لیے مختلف مواقع کی مناسبت سے تلاوت کرنے کے انداز مقرر کر رکھے ہیں، ان میں سے پہلے کا نام تحقیق ہے۔اس کے لفظی معنیٰ ہیں کسی چیز کے وجود کو جیسا کہ وہ ہے، ثابت کر دینا، دکھا دینا۔تلاوت کے ضمن میں اس کا معنٰی بنے گا: حروف، الفاظ اور جملوں کو اس طرح درست اور نکھار کر ادا کرنا کہ کوئی کمی بیشی واقع نہ ہو۔اصطلاحًا اس سے مراد یہ ہے کہ تجوید کے قواعد کو اپنی اپنی جگہ مہارت سے ٹھیک ٹھیک استعمال میں لانا۔یاد رہے کہ کسی بھی کام میں عمدہ معیار حاصل کرنے کے لیے ٹیکنیک اور اسکے مطابق عمل پر محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔آغاز میں تیکنیکی اصول کے مطابق عمل میں تکلف محسوس ہوتا ہے تا آں کہ مہارت حاصل ہو۔اور مہارت عمل کو بار بار دہرانے سے حاصل ہوتی ہے۔اور وہ فطرتِ ثانیہ بن جاتا ہے۔پس آغاز میں تکلّف بھی محسوس ہو تو کوئی حرج نہیں۔ہاں اس امر کو یقینی بنانے کی ضرورت ہے کہ کسی بھی قاعدِہ کو درست طور پر سمجھ کر ٹھیک ٹھیک عمل میں لایا جائے۔

تدویر: یہ لفظ دائرہ سے ہے اور اس کے لفظی معنیٰ دائرہ بنانے کے ہیں۔علمِ تجوید میں اس سے مراد یہ ہے کہ تلاوت کرتے ہوئے آواز کو نرمی اور ملائمت سے چلانا، حروفِ مدہ وغیرہ جہاں جہاں آواز کو کھینچنے اور لمبا ادا کرنے کی گنجائش و موقع ہو وہاں سوز و ترنم کے ساتھ آواز کو کھنچنا اور لے اور نغمگی کے ساتھ ادا کرنا۔انسان کی فطرت اور مزاج میں ترنُّم اور نغمگی سے محظوظ ہونا ہے مگر زیادہ تر لوگ سننے کی حد تک اس ذوق کو استعمال میں لاتے ہیں۔قرآن مجید اللہ کا پیارا اور خوبصورت کلام ہے۔اسکو خوبصورت ہی پڑھنا چاہیے۔ رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''جو قرآن کو خوش الحانی سے نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں ہے'' (ابوداؤد باب کیف

یستحب الترتیل فی القراءۃ) راوی سے دریافت کیا گیا کہ اگر کسی کی آواز اچھی نہ ہو تو کیا کرے! فرمایا جس حد تک اس کے لیے ممکن ہوا سے خوبصورت پڑھے۔ حضرت انسؓ سے رسول کریمﷺ کی تلاوت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا "کانت مدًّا" آپ کی تلاوت لمبی لے میں ہوتی تھی۔ پھر آپؓ نے تسمیہ پڑھ کر عملی طور پر بتایا کہ آپﷺ لمبی لے میں بسم اللہ پڑھتے، لمبی لے میں الرحمٰن پڑھتے، لمبی لے میں الرحیم پڑھتے تھے۔ (بخاری باب مدّ القراءۃِ حدیث نمبر ۵۰۴۶) علماء نے سوز و گداز، ملائمت اور نرمی سے لمبی لے میں تلاوت کرنے کو تدویر کا نام دیا ہے۔ یہ انداز نماز کی امامت میں تلاوت کے وقت اختیار کرنا چاہیے۔

حَدْرْ: حَدْر کا لفظی معنیٰ بلندی سے پستی کی طرف آنا ہے۔ اور قراءت میں حدر کا معنیٰ ہے سرعت اور تیزی سے پڑھنا۔ حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز (تہجد) ادا کی۔ آپؐ نے سورت بقرہ پڑھنی شروع کی، میں نے خیال کیا کہ آپؐ سو آیات پڑھ کر رکوع کریں گے مگر آپؐ تلاوت فرماتے رہے، میں نے سوچا کہ یہ سورت مکمل پڑھ کر رکوع کریں گے مگر آپؐ نے سورت نساء اور آلِ عمران بھی اسی رکعت میں پڑھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم "یقرء مترسلًا" آہستگی اور نرمی سے تلاوت فرماتے تھے۔ کوئی ایسی آیت پڑھتے جس میں تسبیح کا ذکر آتا آپ تسبیح کرتے، کسی سوال کا ذکر آتا آپ مانگتے، خدا کی پناہ طلب کرنے کا ذکر آتا آپؐ پناہ طلب کرتے۔ (مسلم باب استحباب تطویل القراءۃ فی صلاۃ اللیل حدیث نمبر ۱۸۱۴)۔ تدویر کے انداز میں پڑھنے کے حوالہ سے ذکر گذرا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم لمبی لے میں تلاوت فرماتے تھے۔ اس حدیث میں ذکر ہے کہ آپؐ نے ایک ہی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد تین طویل سورتیں پڑھ لیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کلامِ الٰہی کے وقار اور شان کو ملحوظ رکھتے ہوئے کم وقت میں زیادہ مقدار میں تلاوت کی خاطر کسی قدر سرعت سے بھی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اسی اندازِ تلاوت کا نام حَدْر ہے۔ یعنی تجوید کے قواعد کو

استعمال میں لاتے ہوئے قدرے تیزی اور سرعت کے ساتھ تلاوت کرنا۔

ترتیل: یہ لفظ قرآنی ہے اور بہت وسیع اور گہرے معانی رکھتا ہے۔اس کے ایک معنٰی ہیں خوش الحانی سے تلاوت کرنا۔یعنی تلاوت کرتے ہوئے متنِ قرآن میں پائے جانے والے صوتی کمالِ حسن اور اسکے پرعظمت اور پرشوکت بیان کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ہم کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کا کلام مجلس میں لوگوں کو مخاطَب کر کے پڑھا جائے تو یہ خالق و مالک اور ذوالجلال ہستی کی طرف سے ایک حکم نامہ کے طور پڑھا جارہا ہوگا۔پس اجلاسات واجتماعات میں اس کی تلاوت کا انداز ایک خاص شوکت اور جلال کا عکّاس ہونا چاہیے۔علمِ تجوید کی اصطلاح میں اسی انداز سے پڑھنے کا نام ترتیل ہے۔قرآن مجید پڑھنے کے حوالے سے تحقیق کا انداز صحتِ تلفظ کے ساتھ پڑھنے کے قواعد کی مشق کے لیے ہے تدویر کا انداز نماز میں خدا کے حضور کھڑے ہو کر عاجزانہ طور پر مترنّم لے میں تلاوت کے لیے ہے۔اور ترتیل مقتدر اور اس کائنات کو چلانے والی ہستی کے کلام کو مجلس اور بڑے اجتماع میں اس کے مفہوم کو مدّ نظر رکھ کر تلاوت کرنے کا نام ہے۔

باب پنجم :علمِ قراءات

ماہرین کے نزدیک یہ علم کیا ہے اور جید علماء کے نزدیک اس کی کیا حقیقت ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اَقْرَءَنی جِبريلُ علیٰ حرفٍ فراجعتُه فلم ازل استزيده و يزيدني حتیٰ انتهیٰ الیٰ سبعةِ احرفٍ (بخاری کتاب فضائل القرآن حدیث ۹۱۴۹)۔یعنی جبریلؑ نے مجھے ایک طریق پر قرآن مجید پڑہایا اس پر میں ایک سے زائد طریقوں سے قرآن پڑہانے کی درخواست کرتا رہا، یہاں تک کہ سات طریقوں پر مجھے قرآن پڑہادیا۔ الفاظ ''سبعۃ احرف''، بعض دیگر روایات میں بھی آئے ہیں اور ان سے سبعہ قراءات ،سبعہ لغات وغیرہ کئی طرح کے معانی لیے گئے ہیں۔ چنانچہ بعض علماء نے قرار دیا ہے کہ قرآن مجید کی سات قرائتیں ہیں۔اوران مختلف قرائتوں کے حوالے سے ایک علم وضع کیا گیا جسے علم قراءات کہتے ہیں۔اس علم کے ماہرین کے بقول اس میں یہ امر بیان ہوتا ہے کہ قرآنی کلمات کو وحی الٰہی نے کس کس طرح پڑھنے کی اجازت دی ہے۔تاہم جیّد علماءِ امت نے متنِ قرآن اور علمِ قراءات کو دو متغائر حقیقتیں قرار دیا ہے چنانچہ علاّمہ جلال الدین سیوطیؒ اس ضمن میں علاّمہ زرکشی کی کتاب البرہان فی علوم القرآن کے حوالے سے لکھتے ہیں قال الزرکشی فی البرہان:''القرآن والقراءات حقيقتان متغايرتان،فا لقرآن :هو الوحی المنزّ ل علی محمدﷺ للبيان والاعجاز۔والقراءاتُ اختلاف اَلفاظ الوحی المذكور فی الحروف اَو كيفيتها،من تخفيف و تشديد و غيرهما،والقراءات السبع متواترة عند الجمهور۔و قيل:بل مشهورة۔ قال الزركشی: والتحقيق انها متواترة عن الا ئمة السبعة، امّا تواترها عن النبیﷺففيه نظر ،فا نّ اِسنادهم بهذه القراءات السبع موجود فی كتب القراءات ،وهی نقل الواحد عن الواحد" (الاتقان فی علوم القرآن النوع الثانی والعشرون)یعنی قرآن اور قراءات دو الگ الگ حقیقتیں ہیں،قرآن تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر

نازل شدہ وحی ہے جو (احکامِ الٰہی کے) بیان کے لیے ہے اور بطور اعجاز ہے۔اور قراءات، وحیِ مذکور کے الفاظ کے حروف یا ان کی کیفیات، جیسے مشدد یا مخفف وغیرہ میں اختلاف کا نام ہے ،اور جمہور کے ہاں سات قراءتیں ''متواترہ'' ہیں۔جبکہ بعض علماءانہیں متواترہ کی بجائے مشہورہ کہتے ہیں۔علاّمہ زرکشی کہتے ہیں: امرِ واقعہ یہ ہے کہ یہ محض سات معروف ائمہ سے مروی ہونے کے اعتبار سے قراءاتِ متواترہ ہیں، جہاں تک ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر ہونے کا سوال ہے تو یہ امر محلّ نظر ہے۔کیونکہ ان سات قراءات کی سند صرف کتبِ قراءات میں پائی جاتی ہے،اور یہ محض ایک فرد کی ایک فرد سے روایت ہے۔(الاتقان فی علوم القرآن جز واول صفحہ ۲۵۰)

علاّمہ جلال الدین سیوطیؒ نے قراءات کی تین اقسام بیان کی ہیں۔

متواتر: (انکے بیان کے مطابق) یہ سات مشہور قراءات ہیں،ان میں صحابہ کی قراءت شامل ہے۔

آحاد: یہ وہ تین قراءات ہیں جو مذکورہ بالا سات میں شامل ہوکر دس قراءات بناتی ہیں۔

شاذّ: تابعین کی قراءات۔(الاتقان، جز واول صفحہ ۲۳۶۔النوع الثانی والعشرون)

علمِ قراءات کے ماہرین کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں دو طرح کے الفاظ ہیں (۱) متفق علیہ جن کو تمام ناقلین نے ایک ہی طرح روایت کیا مثلاً تلک الرسل وغیرہ (۲) مختلف فیہ الفاظ جن کو عرب کے لغات یا وجوہ اعجازِ قرآنیہ کے اختلاف وتنوع کی وجہ سے حق تعالیٰ نے کئی طرح نازل کیا اور آسانی وسہولت کے لیے سبھی وجوہ کو جائز قرار دیا مثلاً مٰلِکِ یَوْمِ الدین ، اور مَلِکِ یوم الدین۔ومایخدعون اور وما یخٰدعون اسی طرح مد منفصل میں مد اور قصر بھی (یعنی حرفِ مد کو جہاں اس پر مدّ منفصل ہو مد اصلی ہی پڑھنا یا مد فرعی کے ساتھ پڑھنا)۔انہی اختلافات کو اختلافِ قراءت یا وجوہِ قراءت کہتے ہیں،جن کو بہت سے صحابہ نے رسول اللہﷺ سے حاصل کیا اور پھر اپنے شاگردوں کو پڑھایا اور پھر صحابہ کے شاگردوں نے بھی آگے اس اندازِ قراءت کو اپنے شاگردوں تک پہنچایا۔قراءات کے ائمہ نے اختلافی الفاظ میں سے بپابندیِ

شرائط (جیسے صحتِ روایت ،موافقتِ نحو،موافقت رسم) جدا جدا ترتیبیں اختیار کر لیں،جن کی بناء پر اسلام کے ابتدائی زمانہ میں بے شمار قرائتیں پڑھی پڑھائی جاتی تھیں جن کا احصاء کسی کے بس کا کام نہیں۔ان میں سے دس ائمہ قراءات ایسے مشہور وممتاز ہیں جن کی نقل کردہ وجوہِ خلافیہ ہم تک صحت وتواتر کے ساتھ پہنچی ہیں پھر ہر قراءت میں دو دو روایتیں ہیں۔اس طرح کل بیس روایات ہوگئیں۔(کمال القرآن مع شرح جمال القرآن ازمحترم قاری محمد طاہر رحیمی صفحہ ۲۰۹)

سات ائمہ قراءات: پہلی دوصدیوں کے اختتام پر لوگ جن قراءات پر عامل تھے وہ درجِ ذیل ہیں۔بصرہ میں: امام ابوعمرو بن العلا بصریؒ، امام یعقوب حضرمیؒ بصری،کوفہ میں: امام حمزہ کوفیؒ ،امام عاصم بن بہدلہ الاسدی کوفیؒ ،شام میں: امام ابن عامر شامیؒ ، مکہ میں: امام ابن کثیر مکی، مدینہ میں: امام نافع بن عبدالرحمٰن مدنیؒ ۔تیسری صدی میں ابنِ مجاہد نے امام کسائی کوفیؒ کا نام شامل کر دیا اور یعقوبؒ کا نکال دیا۔(الاتقان فی علوم القرآن النوع الثانی والعشر ون جز واول صفحہ ۲۵۱)

ان میں ہر ایک کے دو دو شاگرد مشہور ہوئے۔امام عاصم کوفیؒ کے دو مشہور شاگردوں میں سے ایک شعبہؒ اور دوسرے حفصؒ ہیں۔روایتوں میں سب سے زیادہ مشہور حضرت حفصؒ کی روایت ہے۔

روایت حضرت حفصؒ کی سند: آپ نے امام عاصم بن ابی النجو د بن بہدلہ اسدی تابعی سے، انہوں نے ابو مریم زِرّ بن حُبَیش بن حباشہ اسدی اور ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب سُلَمی (اعمٰی)اور ابوعمرو سعد بن الیاس سیبانی سے پڑھا، پھر ان میں سے زِرّ نے عثمانؓ ،علیؓ ،ابن مسعودؓ سے اور سُلَمی نے عثمانؓ ،علیؓ ،ابن مسعودؓ ونیز زیدؓ ابیؓ پانچوں سے اور شیبانی نے صرف ابن مسعودؓ سے پڑھا اور ان پانچوں صحابہ کرامؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا۔

(جمال القرآن مع شرح کمال الفرقان ازمحترم قاری محمد طاہر رحیمی صفحہ ۲۰۸، ۲۰۹)

حضرت عثمانؓ نے جو مصاحف تیار کروائے وہ ساتوں حروف پر مشتمل تھے۔

علاّمہ جلال الدین سیوطیؒ نے قرآن مجید کے سات حروف پر نازل ہونے کے حوالے سے سوال اٹھایا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن کریم کی جو نقول تیار کروائیں آیا وہ سات جملہ حروف پر مشتمل تھیں جن کا احادیث میں ذکر ملتا ہے۔اس کے جواب میں لکھتے ہیں: فقہاء، قرّاء اور متکلمین میں سے کثیر جماعتوں کا یہی مذہب ہے کہ ان کا متن ان ساتوں حروف پر مشتمل ہے اور اس کی بنیاد انہوں نے اس امر پر رکھی ہے کہ امت کے لیے جائز نہیں ہے کہ (کوئی قرآنی نسخہ تیار کرتے ہوئے) ان نقول میں سے کچھ بھی نقل کرنے سے گریز کریں۔ جبکہ صحابہ نے بالاجماع مصاحف عثمانیہ اس مصحف سے تیار کیے تھے جو حضرت ابوبکرؓ نے لکھا تھا، اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی تھا اس کو ترک کرنے پر ان کا اجماع تھا... مزید لکھا ہے کہ ''علماءِ سلف وخلف اور مسلم ائمہ کی بھاری تعداد کا یہی مذہب ہے کہ تحریر کے اعتبار سے یہ مصاحف احرفِ سبعہ ہی پر مشتمل ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری مرتبہ جو (قرآنی متن) حضرت جبریل کو سنایا اسے اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں ان حروف میں سے ایک حرف بھی انہوں نے ترک نہیں کیا (الاتقان النوع السادس عشر، فی کیفیت انزالہ۔ جزء اول صفحہ ۱۵۷) نوٹ: ''سبعۃ احرف'' کی اس توضیح سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد محض معروف سبعہ قراءات لینا درست نہیں۔

قرآن مجید کی مختلف قرائتیں اور جماعتِ احمدیہ

اس ضمن میں حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں ''یہ جو... ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر اعتراض کیا کہ انہوں نے اور طرح قرآن پڑھا ہے، اس سے یہ دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کہ قرآن کئی طرح سے پڑھا جا سکتا ہے۔اس حقیقت کو صرف عربی دان سمجھ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ بات صرف عربی میں ہی پائی جاتی ہے کسی اور زبان میں نہیں پائی جاتی۔ عربی زبان میں ماضی اور مضارع کے جو صیغے ہیں انکے زیر اور زبر کئی طرح جائز ہوتے ہیں لیکن

معنیٰ نہیں بدلتے۔ کسی حرف کے نیچے زیر لگا لیں تب بھی جائز ہوتا ہے اور اگر اس پر زبر پڑھیں تب بھی جائز ہوتا ہے اور معنیٰ ایک ہی رہتے ہیں۔ کبھی تو یہ عام قاعدہ کے طور پر فرق ہوتا ہے یعنی علمی زبان میں اس لفظ کو کئی طرح بولنا جائز ہوتا ہے۔ اور بعض موقعوں میں یہ فرق قبائل کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ بعض قبائل یا بعض خاندان ایک لفظ زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ بعض لوگوں کے منہ پر زبر چڑھی ہوئی ہوتی ہے اور بعض لوگوں کے منہ پر زیر چڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی اجازت سے زیر یا زبر سے پڑھنے کی اجازت دیتے تھے۔ لیکن اس سے معنوں پر کوئی اثر بھی نہیں پڑتا تھا، نہ لفظوں میں کوئی تبدیلی ہوتی تھی۔ یہ فرق اور زبانوں میں نہیں پایا جاتا۔ اس لیے دوسری زبانوں کے آدمی جب یہ بات سنتے ہیں تو وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ شاید کسی شخص کو کوئی آیت پڑھائی ہوئی ہوتی تھی اور کسی کو کوئی آیت پڑھائی ہوتی تھی، حالانکہ آیت کا کوئی سوال ہی نہیں نہ لفظ کا کوئی سوال ہے۔ سوال صرف لفظوں کے بعض حروف کی حرکت کا ہے ان حرکات کے تغیّر سے معنوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ صرف اتنا فرق پڑتا ہے کہ جس قوم کو جس حرکت سے پڑھنے میں آسانی ہوسکتی ہے وہ اس حرکت سے پڑھ لیتی ہے۔...''

پھر آپؓ امتِ مسلمہ کو قرآن مجید ایک ہی قراءت (ایک ہی طریق) پر پڑھنے کا پابند کروانے کے ضمن میں فرماتے ہیں ''حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں یہ شکایت آئی کہ مختلف قبیلوں کے لوگ مختلف قراءتوں کے ساتھ قرآن کریم کو پڑھتے ہیں اور غیر مسلموں پر اس کا برا اثر پڑتا ہے... پس اس فتنہ سے بچانے کے لیے حضرت عثمانؓ نے یہ تجویز فرمائی کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں جو نسخہ لکھا گیا تھا اس کی کاپیاں کروائی جائیں، اور مختلف ملکوں میں بھیج دی جائیں اور حکم دے دیا جائے کہ بس اسی قراءت کے مطابق قرآن پڑھنا ہے، اور کوئی قراءت نہیں پڑھنی۔ یہ بات جو حضرت عثمان نے کی بالکل معیوب نہ تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب لوگ قبائلی زندگی بسر کرتے تھے۔ یعنی ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے الگ رہتا تھا۔ اس لیے وہ

اپنی اپنی بولی کے عادی تھے۔لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر جمع ہو کر عرب لوگ متمدن ہو گئے ،اور ایک عامی زبان کی بجائے عربی زبان ایک علمی زبان بن گئی۔کثرت سے عرب کے لوگ پڑھنے اور لکھنے کے علم سے واقف ہو گئے جس کی وجہ سے ہر آدمی خواہ کسی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا اسی سہولت سے وہ لفظ ادا کر سکتا تھا جس طرح علمی زبان میں وہ لفظ بولا جاتا تھا، جو درحقیقت ملک کی زبان تھی ۔پس کوئی وجہ نہ تھی کہ جب سارے لوگ ایک علمی زبان کے عادی ہو چکے تھے انہیں پھر بھی اجازت دی جاتی کہ وہ اپنے قبائلی تلفظ کے ساتھ ہی قرآن شریف کو پڑھتے چلے جائیں۔اور غیر قوموں کے لیے ٹھوکر کر کا موجب بنیں۔اس لیے حضرت عثمانؓ نے ان حرکات کے ساتھ قرآن شریف کو لکھ کر جو مکّہ کی زبان کے مطابق تھیں،سب ملکوں میں کا پیاں تقسیم کر دیں،اور آئندہ کے متعلق حکم دے دیا کہ سوائے مکی لہجہ کے اور کسی قبائلی لہجہ میں قرآن شریف نہ پڑھا جائے۔(دیباچہ تفسیر القرآن صفحہ ۲۷۲ تا ۲۷۶)

قرآن مجید کو ابتداء مختلف لہجوں یا قراءتوں میں پڑھنے کی اجازت دی گئی اس کی ضرورت اور حکمت کو حضرت مصلح موعودؓ نے ایک لطیفہ حوالے سے اس طرح بیان فرمایا ہے'' کہ مکہ میں ایک امیر عورت تھی اس کا ایک یمنی ملازم تھا۔وہ عورت حقّہ پینے کی عادی تھی ۔وہاں عام رواج یہ ہے کہ حقّہ کے نیچے کا پانی کا برتن شیشے کا ہوتا ہے اس لئے اُسے کہتے بھی شیشہ ہی ہیں ۔ایک دن اس عورت نے اپنے ملازم کو بلایا اور اس سے کہا غَيِّر الشّيشةَ شیشہ بدل دو۔لفظ تو اس نے یہ کہے شیشہ بدل دو۔مگر محاورہ کے مطابق اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ اس کا پانی گرا کر نیا پانی بدل کر ڈال دو۔ملازم نے یہ فقرہ سنا تو اس کے جواب میں کہا سَتّی ہٰذا طَیّب ۔بیگم صاحبہ یہ تو بڑا اچھا معلوم ہوتا ہے۔عورت نے پھر کہا قُلْتُ لَکَ غَیِّر الشیشة ۔میں نے جو تم کو کہا ہے کہ بدل دو تم انکار کیوں کرتے ہو۔نوکر نے پھر حیرت کا اظہار کیا سَتّی ہٰذا طَیّب ۔میری آقا یہ تو اچھا بھلا ہے۔آخر آقا نے ڈانٹ کر کہا کہ تم میرے نوکر ہو یا حاکم! میں جو تم سے کہہ رہی ہوں کہ

اسے بدل دو تم میری بات کیوں نہیں مانتے۔نوکر نے شیشہ اُٹھایا اور باہر جا کر اس زور سے زمین پر مارا کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔عورت نے کہا ارے یہ تم نے کیا غضب کیا۔اتنا قیمتی برتن تم نے توڑ کر رکھ دیا۔نوکر نے کہا میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ یہ برتن بڑا اچھا ہے مگر آپ مانتی نہیں تھیں۔اب جو میں نے توڑ دیا تو آپ ناراض ہو رہی ہیں۔عورت نوکر پر سخت خفا ہوئی مگر ایک یمنی زبان کے واقف نے اسے سمجھایا کہ نوکر کا قصور نہیں کیونکہ حجاز میں غَیّر کے معنے بدلنے کے ہیں اور محاورہ میں جب شیشہ کے ساتھ بولا جائے تو اس کا پانی بدلنے کے ہو جاتے ہیں۔یمنی زبان میں تغییر کے معنے توڑنے کے ہوتے ہیں پس جب تم نے غَیِّر الشّیشۃَ کہا تو نوکر اپنی زبان کے مطابق یہ سمجھا کہ تم اسے برتن توڑنے کا حکم دے رہی ہو اسی لئے وہ بار بار کہہ رہا تھا کہ بی بی یہ تو اچھا بھلا ہے اسے کیوں تڑوا رہی ہو۔مگر جب تم نہ مانیں اور بار بار زور دیا تو وہ غریب کیا کرتا۔اب دیکھو غَیِّر الشّیشۃَ ایک معمولی فقرہ ہے مگر زبان کے فرق کی وجہ سے یمنی نوکر نے اس کے کچھ کے کچھ معنے سمجھ لئے۔اس قسم کے الفاظ جو زبان کے اختلاف کی وجہ سے معانی میں بھی فرق پیدا کر دیتے ہیں اگر قرآن کریم میں اپنی اصل صورت میں ہی پڑھے جاتے تو یہ بات آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے کہ ان قبائل کو سخت مشکلات پیش آتیں اور ان کے لئے قرآن کریم کا سمجھنا مشکل ہو جاتا۔اس نقص کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے ہم معنیٰ الفاظ پڑھنے کی اجازت دی جن سے قرآن کریم کے سمجھنے اور اس کے صحیح تلفظ کے ادا کرنے میں مختلف قبائلِ عرب کو دقّت پیش نہ آئے۔پس مضمون تو وہی رہا صرف بعض الفاظ یا بعض محاورات جو ایک قوم میں استعمال ہوتے تھے اور دوسری قوم میں نہیں اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ یا ان محاورات کی جگہ ان کی زبان کے الفاظ یا اپنی زبان کے محاورات انہیں بتا دئے تا کہ قرآن کریم کے مضامین کی حفاظت ہو سکے اور زبان کے فرق کی وجہ سے اس کی کسی بات کو سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل نہ ہو جائے۔اسی طرح اس کا پڑھنا اور یاد کرنا بھی مشکل نہ رہے ورنہ اصل قراءت قرآن

کریم کی وہی ہے جو حجازی زبان کے مطابق ہے۔اس تفصیل کو معلوم کر کے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایک عارضی اجازت تھی اصل کلام وہی تھا جو ابتداءً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ان الفاظ کے قائم مقام اسی وقت تک استعمال ہو سکتے تھے جب تک قبائل آپس میں متّحد نہ ہو جاتے۔چنانچہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب بجائے اس کے کہ مکّہ والے مکّہ میں رہتے مدینہ والے مدینہ میں رہتے ،نجد والے نجد میں رہتے طائف والے طائف میں رہتے ،یمن والے یمن میں رہتے اور وہ ایک دوسرے کی زبان اور محاورات سے ناواقف ہوتے۔مدینہ دارالحکومت بن گیا تو تمام قومیں ایک ہوگئیں کیونکہ اس وقت مدینہ والے حاکم تھے جن میں ایک بڑا طبقہ مہاجرینِ مکہ کا تھا اور خود اہلِ مدینہ بھی اہلِ مکہ کی صحبت میں حجازی عربی سیکھ چکے تھے ۔پس چونکہ قانون کا نفاذ ان کی طرف سے ہوتا تھا،مال ان کے قبضہ میں تھا اور دنیا کی نگاہیں انہی کی طرف اٹھتی تھیں۔اس وقت طائف کے بھی اور نجد کے بھی اور مکہ کے بھی اور یمن کے بھی اور دوسرے علاقوں کے بھی اکثر لوگ مدینہ میں آتے جاتے تھے۔اور مدینہ کے مہاجر و انصار سے ملتے اور دین سیکھتے تھے اور اسی طرح سب ملک کی علمی زبان ایک ہوتی جاتی تھی۔پھر کچھ ان لوگوں میں مدینہ میں ہی آ کر بس گئے تھے ان کی زبان تو گویا بالکل ہی حجازی ہوگئی تھی۔یہ لوگ جب اپنے وطنوں کو جاتے ہونگے تو چونکہ یہ علماء اور استاد ہوتے تھے یقیناً ان کے علاقہ پر ان کے جانے کی وجہ سے بھی ضرور اثر پڑتا تھا۔علاوہ ازیں جنگوں کی وجہ سے عرب کے مختلف قبائل کو اکٹھا رہنے کا موقعہ ملتا تھا اور افسر چونکہ اکابر صحابہؓ ہوتے تھے ان کی صحبت اور ان کی نقل کی طبعی خواہش بھی زبان میں یک رنگی پیدا کرتی تھی۔پس گو ابتداء میں تو لوگوں کو قرآن کریم کی زبان سمجھنے میں دقتیں پیش آتی ہوں گی مگر مدینہ کے دارالحکومت بننے کے بعد جب تمام عرب کا مرکز مدینہ منورہ بن گیا اور قبائل اور اقوام نے بار بار وہاں آنا شروع کر دیا تو پھر اس اختلاف کا کوئی امکان نہ رہا۔کیونکہ اس وقت تمام علمی مذاق کے لوگ قرآنی زبان سے پوری

طرح واقف ہو چکے تھے۔ چنانچہ جب لوگ اچھی طرح واقف ہو گئے تو حضرت عثمانؓ نے حکم دے دیا کہ آئندہ صرف حجازی قراءت پڑھی جائے اور کوئی قراءت پڑھنے کی اجازت نہیں۔ آپؓ کے اس حکم کا مطلب یہی تھا کہ اب لوگ حجازی زبان کو عام طور پر جاننے لگ گئے ہیں اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ انہیں حجازی زبانِ عربی کے الفاظ کا بدل استعمال کرنے کی اجازت دی جائے۔ (تفسیر کبیر جلد نہم صفحہ ۴۸، ۴۹)

پس ابتداء اللہ تعالیٰ نے بعض مقاصد کے پیشِ نظر مثلاً بعض قبائل کے افراد کی سہولت کے لیے یا کسی مضمون کی وضاحت کی خاطر یا کسی عظیم الشان کے واقعہ مکرر وقوع پذیر ہونے کی خبر دینے کی غرض سے بعض الفاظ کی حرکات کو مختلف طریق پر پڑھایا یا بعض الفاظ کے متبادل الفاظ پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی یا بعض اضافی کلمات بھی سکھائے۔ تاہم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینے میں مستقلاً جو محفوظ کیا، صحابہ کو یاد کروایا اور تحریر کروایا وہ وہی قرآنی متن ہے جو ''اقرأنی جبریل علیٰ حرف'' کے مطابق ہے اور جس کی جمع وتدوین اور قیامت تک حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود اپنے اوپر لی، اور حضرت جبریل کے ذریعہ رسول اللہ کو اس کا دور کرواتا رہا۔ چنانچہ فتح الباری میں مسند احمد بن حنبل کے حوالہ سے مروی ہے ان الذی جمع علیه عثمان الناس یوافق العرضة الاخیرة یعنی حضرت عثمانؓ نے جس قراءت وترتیب پر لوگوں کو جمع کیا وہ اسی کے مطابق ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری بار پیش کی گئی۔ (اردو دائرہ معارف زیر لفظ قرآن)

مأمورِ زمانہ حکم وعدل حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے تو ان قراءات کا معاملہ انتہائی صفائی سے واضح فرما دیا ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ قرآن کا جو نزول ہوا ہے، وہ یہی الفاظ ہیں یا کس طرح؟ فرمایا: **یہی الفاظ ہیں اور یہی خدا کی طرف سے نازل ہوا، قرات کا اختلاف الگ امر ہے۔** وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِي (الحج:۵۳) **میں لامحدَّث**

قراءت شاذّہ ہے اور یہ قراءت حدیث صحیح کا حکم رکھتی ہے۔جس طرح نبی اور رسول کی وحی محفوظ ہوتی ہے اسی طرح محدّث کی وحی بھی محفوظ ہوتی ہے،جیسا کہ اس آیت سے پایا جاتا ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ ۴۴۹)

حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ آیت سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰی اِلَّامَا شَاءَ اللہ کی تشریح میں فرماتے ہیں ''پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہر سال ایک بار دور کیا کرتے تھے سالِ وفات آپؐ نے دو بار دور کیا''س'' کے معنے ضرور بالضرور کے ہیں۔ **اِلَّامَا شَاءَ اللہ** کے تحت میں موجود قرآن شریف کے علاوہ جس قدر مختلف قِرَاءَتیں عرب کے لب و لہجہ کی وجہ سے تھیں سب نسیًا منسیًّا ہو گئیں۔جو زیادہ تر مشہور قراءت تھی وہی مَتلُوّ رہی۔قرآن شریف کے جمع کے متعلق صحابہؓ کا فعل اللہ تعالیٰ ہی کا فعل تھا۔

(حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ ۳۶۶)

متنِ قرآن کی حفاظت کے لئے خلافت احمدیہ کی حمیّت و غیرت:۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ایک موقع پر سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۱۶۲ کے الفاظ ﴿**دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ**﴾ کی تلاوت کرتے ہوئے لفظ '**قِیَمًا**' کو قَیِّمًا پڑھ دیا مگر غلطی کا احساس ہوا تو معاً ہی آپؒ نے اس پر دکھ کا اظہار کرتے ہوئے تصحیح بھی کر لی۔جماعت کے ایک بزرگ عالم نے علاّمہ امام رازی کی ''تفسیر کبیر'' اور علاّمہ الوسی کی ''تفسیر روح المعانی'' کے حوالے دے کر حضور کی خدمت میں لکھا کہ ان تفاسیر کے مطابق اس آیت کی دوسری قراءت میں یہ لفظ 'قَیِّمًا' بھی نازل ہوا ہے۔اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں ''اس کو پڑھ کر جہاں ایک طرف مجھے اطمنان ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جو غلطی تھی وہ ایسی خطرناک غلطی نہیں تھی کہ جس کی وجہ سے مجھے مدّت تک تکلیف رہتی۔اس کا کچھ جواز موجود ہے۔لیکن دوسری طرف ایک فکر بھی لاحق ہوئی۔قرآن کریم کی جو مختلف قراءتیں تھیں ان

پر ہمیں ان معنوں میں کوئی اعتراض نہیں کہ وہ ثابت شدہ ہیں اور بعض معانی کی طرف اشارہ کرتی ہیں ان سے استفادہ کی حد تک تو یہ بالکل جائز اور درست ہے مگر علماء کے حوالوں سے اگر ایسی قراءتیں درست بھی ثابت ہوں تو ایک ایسی قراءت جو کل عالم میں ایک خاص قراءت کے طور پر رواج پا چکی ہے اور امّت واحدہ کی ایک نشانی بن گئی ہے اور قرآن کریم کو ایک وحدت کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کر رہی ہے۔ اس کے برعکس ان متفرق قراءتوں کو رواج دینے کا رجحان خطرناک ہے اور مجھے پسند نہیں۔ میں اپنے لئے اور جماعت کے کسی بزرگ کے لئے یا عام انسان کے لئے ہرگز پسند نہیں کرتا کہ وہ تفاسیر کے حوالے سے کچھ دوسری قراءتیں معلوم کرے اور پھر اصرار کرے کہ یہ قراءت بھی درست ہے اس لیے میں اسی طرح پڑھوں گا۔ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کو ایک قراءت پر جو اکٹھا فرمایا ہے یہ اتفاقی حادثہ نہیں ہے۔ یاد رکھیں جھوٹے ہیں جو یہ کہتے ہیں۔ قران کریم کی جمع و تدوین میں کوئی بھی اتفاق نہیں۔ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے حیرت انگیز طور پر ایک عالمی وحدت اس طرح عطا فرمائی ان تمام قراءتوں کو بھی نظروں سے غائب کر دیا جو مختلف قراءتیں ہیں۔ سوائے اس کے کہ علماء کھوج لگا کر معلوم کریں اور ایک قراءت کل عالم میں رواج پا گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ جماعت کو ہمیشہ قرآن کریم کی ایسی خدمت کی توفیق عطا فرمائے کہ اس میں کسی پہلو سے بھی ادنیٰ سا رخنہ پڑنے کا شبہ بھی جماعت پر نہ کیا جا سکے۔ اس کا وہم تو درکنار دشمن کی آنکھ پر بھی کسی ایسے رخنے کا کوئی تاثر نہ پڑ سکے۔

(از خطباتِ طاہر خطبہ جمعہ ۱۶ جولائی ۱۹۹۳ء)

کلماتِ قرآنی کے مختلف تلفظ کے ساتھ نزول میں بعض واقعات کی پیش خبری۔

خلاصہ کلام یہ کہ جہاں تک الفاظ کی ادا کے لحاظ سے مختلف قراءات کا تعلق ہے، یہ وقتی تھیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ایک قراءت کی تلاوت فرماتے تھے جو حضرت جبریلؑ نے آپ کو اوّلاً سکھلائی اور سال بہ سال اسکا دور (revision) کرواتے رہے۔ اسی لیے حکم و

عدل حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے (جن کا کام ہی ’حدیث یحی الدین و یقیم الشریعۃ‘ کے مطابق ’اسلام اور شریعتِ اسلامی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں اصلی شکل میں دوبارہ دنیا کے سامنے رکھنا تھا) اس پہلو سے قراءات پر کوئی بحث ہی نہیں فرمائی۔ ہاں علمِ قراءات کے جس پہلو سے شریعت کی خدمت ہوتی اور عظمت وشان ظاہر ہوتی ہے، اس پہلو سے آپ نے اور آپکی اتّباع میں خلفاء احمدیت نے بھرپور طریق پر استفادہ فرمایا ہے۔ ایک مثال عرض کیے دیتا ہوں۔ سورہ روم کی ابتدائی آیات ہیں: غُلِبَتِ الرُّومُ فِيُ أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ فِيُ بِضْعِ سِنِيْنَ لِلَّهِ الْأَمْرُ مِن قَبْلُ وَمِن بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ حضرت اقدس مسیح موعودؑ ان آیات کے حوالہ سے فرماتے ہیں۔ ’’یہ آیت اول اس موقع پر نازل ہوئی تھی جبکہ کسریٰ شاہ ایران نے بعض حدود پر لڑائی کر کے قیصر شاہِ روم کو مغلوب کر دیا تھا، پھر جب اس پیشگوئی کے مطابق بِضْعِ سِنِيْن میں قیصرِ روم شاہ ایران پر غالب آ گیا تو پھر یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿غُلِبَتِ الرُّومُ فِيُ أَدْنَى الْأَرْضِ۔۔۔الخ﴾ جس کا مطلب یہ تھا کہ رومی سلطنت اب تو غالب آ گئی ہے مگر پھر بِضْعِ سِنِيْن میں اسلام کے ہاتھ سے مغلوب ہوں گے مگر باوجود اس کے کہ دوسری قراءت میں غَلَبَتْ کا صیغہ ماضی معلوم تھا اور سَيُغْلَبُون کا صیغہ مضارع مجہول تھا مگر پھر بھی پہلی قراءت جس میں غُلِبَت کا صیغہ ماضی مجہول تھا اور سیَغْلِبون مضارع معلوم تھا منسوخ التلاوت نہیں ہوئی بلکہ اسی طرح جبرائیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف سناتے رہے جس سے اس سنّت اللہ کے موافق جو قرآن شریف کے نزول میں ہے یہ ثابت ہوا کہ ایک مرتبہ پھر مقدر ہے کہ عیسائی سلطنت روم کے بعض حدود کو پھر اپنے قبضہ میں کر لے گی۔ اسی بناء پر احادیث میں آیا ہے کہ مسیح کے وقت میں سب سے زیادہ دنیا میں روم ہوں گے یعنی نصاریٰ۔ (تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۳۰۷، ۳۰۸)

حضرت مصلح موعودؓ ان آیات کی تشریح میں فرماتے ہیں ''اس آیت کی دو قرائتیں آتی ہیں ایک تو غُلِبَتِ الرُّومُ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِهِمۡ سَيَغۡلِبُوۡنَ ۔ جس کے معنٰی یہ ہیں کہ رومی حجاز کے قریب کے علاقہ میں کسریٰ سے مار کھا گئے ہیں لیکن مار کھانے کے بعد وہ عنقریب پھر طاقت پکڑ جائیں گے اور کسریٰ کو شکست دے دیں گے۔ چنانچہ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی اور پہلے تو رومیوں نے شکست کھائی مگر پھر رومیوں نے ایرنیوں کو شکست دی اور یہ خبر بدر کی فتح کے موقع پر مسلمانوں کو پہنچی ۔ اوراس طرح یہ الفاظ پورے ہوئے کہ یَوۡمَئِذٍ يَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ بِنَصۡرِ اللّٰهِ کہ اس دن مسلمان اللہ کی مدد کی وجہ سے خوش ہو رہے ہونگے۔

دوسری قراءت اس آیت کی یہ ہے۔ غُلِبَتِ الرُّومُ فی ادنیَ الاَرضِ و هُم منۡ م بَعۡدِ غَلَبِهم سَيُغۡلَبُونَ۔ یعنی رومی ایرانیوں کے ہاتھ سے قریب کے علاقہ میں شکست کھا گئے ہیں، لیکن اس شکست کے بعد وہ ایک دفعہ پھر فتح پائیں گے اور اس فتح پانے کے بعد دوبارہ ایک اور قوم کے ہاتھوں سے زبردست شکست کھائیں گے۔ یعنی مسلمانوں کے ہاتھ سے جیسا کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوا۔ پانچویں دفعہ یہ پیشگوئی سلطان محمد فاتح کے وقت میں پوری ہوئی یعنی پہلے تو جب تک مسلمان خشکی کی طرف سے حملہ کرتے رہے، قسطنطنیہ کا بادشاہ غالب آتا رہا لیکن جب سلطان محمد فاتح بیڑہ لے کر قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوا تو اس وقت خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دیدی اور وہ قسطنطنیہ میں داخل ہوئے اور قریب ایک ہزار سال سے اس پر قابض ہیں۔ (تفسیر صغیر، سورہ روم)

باب ششم:علمِ رسم عثمانی

اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل شریعت مقصودِ تخلیقِ کائنات، خاتم النبیّن ،نبیِ امّی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پرنازل فرمائی۔آپؐ کو **اقــــــرأ** کا حکم دیا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ وعدہ دیا کہ ''اسکا جمع کرنا بھی ہمارے ذمّہ ہے اور اس کا دنیا کے سامنے سنانا بھی ہمارے ذمّہ ہے۔پس جب ہم اسے پڑھ لیا کریں تو ہمارے پڑھنے کے بعد تو بھی پڑھ لیا کر۔اور ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اس کو تیری زبان سے لوگوں کو کھول کر سنا دیں''۔(القیٰمہ آیت ۱۸ تا ۲۰) یہ کلام کم و بیش تیئیس برس تک نازل ہوتا رہا۔اگر دنیا کی نظر سے دیکھا جائے تو اس طویل عرصہ میں ایک دن تو کیا ایک لمحہ بھی اس نبیِ امّی کا پُر امن حالات اور ریاستی استحکام میں نہیں گذرا۔تیرہ برس تک اپنے وطن میں دشمنوں کی ایذا رسانیاں جھیلیں،جس میں شعب ابی طالب میں محصور ہو کر فاقہ کشیوں،اور طائف کے غنڈوں کی سنگباری سے لہولہان ہونے جیسے جگر سوز اور دل خراش واقعات کا سامنا کیا۔اخلاقی طور پر حجت تمام کرنے کے بعد جب اذنِ الٰہی سے یثرب ہجرت کی تو کفّارِ مکہ وہاں کے لوگوں کو آپؐ کی مخالفانہ سرگرمیوں پر اکساتے رہے،بار بار حملہ آور ہوتے رہے اور پھر کل عرب کو گویا ساتھ ملا کر لشکر کشی کے ذریعہ آپؐ کو صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالنے اور نہتے ، بے ضرر اور امن و آشتی کے داعی افراد کی نوخیز اسلامی ریاست کو نیست و نابود کرنے کی غرض سے ''مدینہ'' پر دھاوا بول دیا۔ان نامساعد حالات میں،اس طویل عرصہ میں نزولِ قرآن کی تکمیل ہوئی،اور الٰہی وعدہ کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل قرآن لاکھوں لوگو کو سنایا، یاد کروایا،سکھایا اور اس کے مکمل متن کو کتابت و تحریر کے ذریعہ محفوظ کروایا۔جس طرح قرآن مجید ظاہری و باطنی خوبیوں میں بحرِ بے کراں ہے،اس کا متن علمی و ادبی اعتبار سے اعلیٰ ترین ،اور حروف و الفاظ کی ترتیب اور جڑاؤ کے لحاظ سے مسحور کن اعجاز کا حامل،اور اپنے اندر طلاقت ،سلاست ،روانی ،ردھم اور کمال کا صوتی حسن رکھتا ہے۔اسی طرح اسکی کتابت اور طرزِ تحریر میں بھی لطیف در لطیف معانی پائے جاتے ہیں جو اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ یہ ''**مــن لّدن حکیمٍ خَبیر**''یعنی گہری حکمتوں

والے، انتہائی باخبر خدا کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے نزول کے ساتھ ساتھ ہی اسکی کتابت کا بھی اہتمام کروایا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا متنِ قرآن لکھوانا اور کاتبین کو الفاظ سنوار کر لکھنے کی تفصیلی رہنمائی ۔

الشیخ محمد عبدالعظیم الزرقانی ''دستور ابی بکرِ فی کتابة الصحف'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں ''فھا ھو ذا رسول اللہ ﷺ قد اتّخذ کتّابًا للوحی، کلّما نزل شیءٌ من القرآن امرھم بکتابتہ۔ مبالغةً فی تسجیلہ و تقییدہ۔ وزیادةً فی التوثیق والضبط والاحتیاط فی کتاب اللہ تعالیٰ۔ حتّی تُظاھر الکتابةُ الحفظَ و یعاضد النقشُ اللفظَ"

(مناھل العرفان فی علوم القرآن جز اول صفحہ ۲۴۶)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتبین مقرر فرما رکھے تھے، جیسے ہی قرآن مجید کا کوئی حصّہ نازل ہوتا آپ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو بطور دستاویز محفوظ کرنے اور اسے حفاظت کے اعتبار سے ثقہ ترین بنانے میں اپنی کوششوں کو انتہاء تک پہچاتے ہوئے انہیں اسکی کتابت کا ارشاد فرماتے، تا کہ متنِ قرآن کی تحریر ذہنوں میں محفوظ کروائے گئے کلام اللہ کی صحت کو تقویت دے اور کتابت اس کی درست ادا اور صحیح پڑھنے کو یقینی بنانے میں مددگار ثابت ہو۔

حضرت مصلح موعودؓ متنِ قرآن کو اس کے نزول کے ساتھ ساتھ ضبطِ تحریر میں لانے کے اہتمام کے تعلق میں فرماتے ہیں ''یہ جو کہا جاتا ہے کہ چونکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اَن پڑھ تھے۔ اس لئے کاتب جو چاہتے لکھ دیتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے ہی اس کا انتظام کر لیا تھا۔ اور وہ یہ کہ جب وحی نازل ہوتی تو کاتب کو کہتے لکھ لو۔ اور چار آدمیوں کو کہتے یاد کر لو ۔ اس طرح لکھنے والے کی غلطی یاد کرنے والے درست کرا سکتے تھے۔ اور یاد کرنے والوں کی غلطی لکھنے والا بتا سکتا تھا۔ فرض کرو لکھنے والے نے لفظ غلط لکھ لیا مگر یاد کرنے والے اس غلطی کے ساتھ کیونکر متفق ہو سکتے تھے، اس طرح فوراً غلطی پکڑی جا سکتی تھی''۔ (فضائل القرآن صفحہ ۲۶)

قرآنی رسم الخط میں اعجاز اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کاتبین کو رہنمائی۔

تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے:

تناسبت اجزاء البسملة اشارة و عبارة ،و انّما طوّلت الباء للاشارة الیٰ انّ الظهور تامُ او الیٰ انها وان انخفضت لٰکنّها اذا اتّصلت هٰذا الاتّصال ارتفعت واستعلت،و فيه رمز الیٰ ان من تواضع لله رفعه الله و اَنا عند المنكسرة قلوبهم من اجلی۔وقال الرسميون طوّلت لتدلّ علی الالف المحذوفة و لتكون عوضًا عنها و ليكون افتتاح كتاب الله تعالیٰ بحرف مفخّم ولذا قال ﷺ لمعاوية فيما رُوِ ی"الق الدواة و حرف القلم وانصب الباء و فرّق السين ولاتعوّر الميم و حسّن الله و مدّ الرحمٰن و جوّد الرحيم و ضع قلمك علی اذنك اليسریٰ فَاِ نّه اذكر لك۔۔۔ولعلّ منه اخذ عمر بن عبد العزيز قوله لكاتبه طوّل الباء و اَظهر السينات و دوّر الميم۔

(تفسیر روح المعانی جزء اول صفحہ ۵۷)

ترجمہ:۔بسم اللہ کے اجزاء حقیقت پر آ گاہ کرنے اور حسن بیان کے اعتبار سے اپنے اندر عمدہ مناسبت رکھتے ہیں۔چنانچہ اس میں باء کو لمبا لکھا جاتا ہے اس امر کی طرف اشارہ کے لئے کہ حق کا ظہور مکمل طور پر ہو گیا ہے نیز لمبا لکھنے کے ساتھ ہی اسے بچھا کر لکھتے ہوئے لفظ اسم کی ''س'' سے جوڑ دیا جاتا ہے جو اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اپنے انخفاض اور پستی کے باوجود اپنے اس اتّصال کی وجہ سے بلند اور عالی ہے۔اور اس میں یہ پیغام ہے کہ جو اللہ کی خاطر عجز اختیار کرتا ہے اللہ اسے بلندیاں عطاء فرماتا ہے اور یہ کہ میں ان کے ساتھ ہوں جو میری خاطر عجز و انکسار اختیار کرتے ہیں۔قرآنی رسم الخط کے ماہرین کہتے ہیں کہ باء لمبا لکھنے سے غرض یہ ہے کہ یہ حذف کیے گئے الف پر دلالت کرے اور اس کی قائمقامی کرے۔اور کتاب للہ کا آغاز ایک مفخّم حرف کے ساتھ ہو،اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ سے فرمایا ''دوات رکھو اور قلم کے کٹ کو درست بناؤ اور

باءکوسیدھا (کھڑا) لکھواورسین کے دندانوں کوواضح کرواورمیم کواندھانہ لکھو(یعنی اس کی آنکھ بنا کر لکھو)۔لفظ اللہ کوخوبصورت بناؤاورالرحمٰن کوکھینچ کرلکھواورلفظ رحیم کوعمدہ طور سےلکھواوراپنا قلم اپنے بائیں کان پراٹکالو؛ یہ امر تمہیں (کتابت کی) ذمہ داری یاددلاتا رہے گا''۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گوامّی تھے یعنی رسمی علم کے حصول کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بشر کے سامنے زانوئے تلمّذ طےنہیں کیا تھامگرالٰہی نور کی بدولت آپ علم وحکمت عقل ودانش اوردانائی وفراست میں یکتائے روزگار تھے۔مندرجہ بالا روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ گوخودنہیں لکھتے تھےمگرتحریر کی نوک پلک کی جانچ اورخوش خطّی کا ذوق آپ کوخوب ودیعت فرمایا گیا تھا جسے آپ کلام اللہ کی کتابت اورنبوت کے فرائض کی بجا آوری میں بھرپورطور پر کام میں لاتے تھے۔اور یہ ملکہ کبارصحابہ اورتابعین کے واسطے سے بالخصوص قرآنی کتابت کے حوالے سے آگے منتقل ہوتا گیا چنانچہ علاّمہ موصوف مزید لکھتے ہیں کہ ''شائداسی فرمانِ نبویؐ کی روشنی میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے کاتب کو ہدایت فرمائی کہ باءکو طویل لکھوسین کے دندانوں کوواضح کرواورمیم کوگول لکھو''۔

حضرت ابوبکرؓ کے دورِخلافت میں جمع قرآن۔

حضرت ابوبکرؓ کے دورِخلافت میں متنِ قرآن کوایک جلد میں محفوظ کرنے کا ذکرکرتے ہوئے الشیخ محمد عبدالعظیم الزرقانی لکھتے ہیں''وانتهـج زيـد فـی الـقـرآن طريقة دقيقة محكمة وضعها له ابو بـكـر و عـمـر۔فيها ضمان لحياطة كتاب الله بما يليق به من تثبّتٍ بالغ و حذر دقيق ؛و تـحـريـا ت شـامـلة، فـلـم يـكتف بـما حفظ فی قلبه، ولا بما كتب بيده۔ ولا بما سمع بـأذنـه۔بـل جـعـل يتتبّع و يستـقـصـی آخـذًا عـلـی نفسه اَن يعتمدفی جمعه مصدرين اثـنـيـن:اَحدهما ما كتب بين يدی رسول الله ﷺ،و الثانی: ما كان محفوظًا فی صدور الـرجـال۔ و بـلـغ مـن مبـالـغته فی الحيطة و الحذر اَنه لم يقبل شيئًامن المكتوب حتّی يشهـد شـا هـدان عدلان اَنّه كتب بين يدی رسول الله ﷺ۔ يدل علیٰ ذٰلك ما اَخرجه

ابن ابی داود من طریق یحیٰ بن عبد الرحمن بن حاطب قال: قدم عمر، فقال: من کان تلقّی من رسول اللہ ﷺ شیئًا من القرآن فلیأتِ به، و کانوا یکتبون ذلك فی المصحف والالواح والعسب، و کان لا یقبل من اَحد حتی یشهد شاهدان"(**مناھل العرفان فی علوم القرآن جز اول صفحہ۲۵۲**)

یعنی حضرت زید نے قرآن مجید ایک جلد میں جمع کرنے کے لیے انتہائی دقیق اور محکم طریق اختیار کیا جو کہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ نے ان کے لیے وضع فرمایا تھا،جس میں ہر طرح سے احتیاط برتتے ہوئے ثبوت حاصل کرنے میں کوشش کو انتہاء تک پہنچانے اور الفاظ وآیات کو پوری چھان پھٹک کے ساتھ عمدہ طور پر جمع کرنے کی صورت میں کتاب اللہ کا احاطہ کرنے کی ضمانت تھی۔ آپ (یعنی حضرت زیدؓ) نے جمع قرآن کے لیے صرف اپنے حافظِہ پر،صرف اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے پر اور صرف اپنے کانوں سے سنے ہوئے پر اکتفاء نہ کیا۔ بلکہ اپنے آپ کو اس امر کا پابند کرتے ہوئے کہ وہ دو بنیادی مَـاٰخِذ کو پیشِ نظر رکھیں گے:۱۔قرآنی عبارت کی تحریرات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بیٹھ کر لکھی گئیں۔۲۔متنِ قرآن جو حفظ کی صورت میں افراد کے سینوں میں محفوظ تھا۔ چنانچہ آپ متن قرآن کی تلاش اور کھوج میں لگ گئے۔متنِ قرآنی کی حفاظت کا احاطہ کرنے کے لیے اس حد تک احتیاط برتی کہ کسی قرآنی تحریر کو آپ قبول نہ کرتے تھے جب تک دو انتہا درجہ کے عادل گواہ اس امر کی گواہی نہ دیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ضبطِ تحریر میں لائی گئی تھی۔اس امر کی صداقت پر ابن ابی داؤد کی وہ روایت جو انہوں نے یحیٰی بن عبدالرحمٰن بن حاطب کے طریق پر بیان کی ہے دلالت کرتی ہے: یعنی یہ کہ حضرت عمرؓ تشریف لائے اور فرمایا: جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کا کوئی حصّہ سیکھا ہو وہ لے آئے۔صحابہؓ کا دستور تھا کہ وہ قرآن کی وحی کو اوراق میں تختیوں پر اور کھجور کی چھال وغیرہ پر لکھا کرتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں مصاحف کی تیاری۔

حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں ایک مرتبہ پھر ضرورت پیش آئی کہ قرآن مجید کے مستند نسخے تیار کیے جائیں چنانچہ آپؓ نے چوبیسویں سن ھجری کے اواخر میں مصاحف کی تیاری کے لیے چار اعلیٰ پائے کے صحابہ اور ثقہ حُفّاظ: زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن زبیرؓ سعید بن العاصؓ اور عبدالرحمٰن ابن الحارث بن ھشام کو یہ اہم فریضہ تفویض فرمایا ان میں سے آخری تین قریشی تھے۔(ابنِ ابی داوٗد کی کتاب ''المصاحب'' میں یہ تعداد ۱۲ لکھی ہے) حضرت عثمانؓ نے ام المؤمنین حفصہ بنت عمرؓ سے وہ نسخہ منگوایا جو حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں تیار کروایا گیا تھا۔اور مذکورہ مجلس نے مصاحف لکھنے کا کام شروع کیا اور کوئی حصہ لکھنے سے پہلے صحابہ کے سامنے پیش کرتے اس تصدیق کی غرض سے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طریق پر پڑھ کر سنایا تھا،جس طرح کہ مصاحف میں اِس وقت ہم دیکھ رہے ہیں۔یہ صحابہ تحقیق و تدقیق کے بعد مصاحف میں وہی عبارت تحریر کرتے تھے جو قرآن کریم کا حصّہ ثابت ہوتا تھا،جس کے بارِہ میں انہیں علم ہوجاتا کہ عرضہ اخیرہ میں قائم رکھا گیا ہے اور یقین ہوجاتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی سکھایا۔اس کے علاوہ جو کچھ تھا انہوں اسے ترک کردیا جیسے لفظ ''**فاسعَوا**'' کی بجائے قرائت ''**فَا مضُوا اِلیٰ ذکر الله**'' اور ''**و کان وراء هم ملکُ یَاُ خُذُ کلَّ سفینةٍ صالحةِ غصبًا**'' کو جس میں لفظ ''**صالحة**'' زائد ہے۔

(ملخص از مناھل العرفان فی علوم القرآن جز اول صفحہ ۲۵۷ تا ۲۵۹)

الفاظِ قرآنی میں بعض حروف کا کہیں لکھنا کہیں حذف کردینا اور اس میں حکمت۔

اختلاف رسمِ الکلماتِ فی المصحف و الحکمة فیه۔

(یعنی قرآن میں بعض الفاظ کو معروف طرزِ تحریر سے مختلف طریق پر لکھنا اور اس میں حکمت)

اس عنوان کے تحت 'امام بدرالدین محمد بن عبداللہ الزرکشی' لکھتے ہیں: مصحف کی طرزِ تحریر کئی پہلو اپنے اندر رکھتی ہے۔اس میں بعض اوقات تلفّظ کی نسبت سے کوئی حرف زائد لایا جاتا ہے،بعض

اوقات کم کر دیا جاتا ہے، اور بعض اوقات تلفظ کے مطابق ہی لکھا جاتا ہے۔ اور اس میں کئی پوشیدہ حکمتیں اور خوبصورت بھید ہیں جنکا تتبّع ابو العباس المراکشی المعروف ابن البناء نے اپنی کتاب ''عنوان الدليل فی مرسوم خط التنزيل'' میں کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ اِن حروف کا طرزِ تحریر میں مختلف ہونا ان کلمات کے معانی میں مختلف ہونے کے اعتبار سے ہے۔

زیادتِ الف: اس عنوان سے (آیت: ﴿ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَاباً شَدِيداً ﴾ 'النمل: ۲۲' اور ﴿ لَوْ خَرَجُواْ فِيكُم مَّا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالا ﴾ التوبہ۴۷' کے حوالہ سے) لکھتے ہیں: مثلاً ﴿ **لاۡاَذبحنّه** ﴾ اور ﴿ **و لاۡاَوضعوا خلالكم** ﴾ میں 'لا' کا الف تحریرً ازائد لایا گیا ہے، پڑھنے میں 'لَ' ہے۔ زائد الف سے اس امر کی تنبیہ مقصود ہے کہ بعد میں وقوع پذیر ہونے والا امر اثر میں اس سے زیادہ سخت ہوگا جس کا لفظاً پہلے ذکر ہے۔ چنانچہ ذبح سزا سے زیادہ سخت ہے اور ایضاع (یعنی خوب گھوڑے دوڑانا) فساد پیدا کرنے کے اعتبار سے خبال (یعنی خرابی پیدا کرنے) کی نسبت زیادہ سخت ہے۔

حذفِ الف: کبھی الف لفظ میں سے حذف کر دیا جاتا ہے فعل میں اضمحلال اور کمزوری ظاہر کرنے کے لیے جیسے ﴿ سَعَوْا فِيٓ آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ ﴾ (سبا: ۶) انہوں نے ہمارے نشانوں کے بارے میں ہمیں عاجز کرنے کی کوشش کی۔ یہ کوشش باطل اور لا حاصل ہے۔ اسی طرح ﴿ جَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ﴾ انہوں نے بہت بڑا فریب پیش کیا۔ (الاعراف: ۱۱۷) اور ﴿ جَاءُوا ظُلْماً وَزُوراً ﴾۔ انہوں نے بہت بڑا ظلم کیا اور بہت بڑا جھوٹ بولا۔ (الفرقان: ۵) ان دونوں جگہوں پر لفظ **جاءو** سے الف حذف کر دیا گیا ہے جو اسکے کمزور اور ناکام ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

زیادۃ الواو: کبھی کتابت میں واؤ زائد لا کر یہ واضح کرنا مقصود ہوتا ہے کہ جو بتایا جا رہا ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے مثلاً ﴿ سَأُوْرِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ ﴾ (الاعراف: ۱۴۶) میں عنقریب تم کو بدکرداروں کا گھر دکھاؤں گا۔ ﴿ سَأُوْرِيكُمْ **اٰيٰتی** ﴾ (انبیاء: ۳۸) سو یاد رکھو میں تم کو اپنے نشان دکھاؤں گا۔

دوسری قسم، لفظ میں کمی کرنا

حذف الالف: ہر الف جو کسی لفظ میں آتا ہے، معنیٰ دیتا ہے وہ دو اعتبار سے ہے۔ایک تو: ملکوتی پہلو سے یا حالی صفات یا علوی امور کے تعلق میں جسے کہ محسوس نہیں کیا جا سکتا۔اس امر کی نشان دہی کے لیے الف حذف کر دیا جاتا ہے۔دوسرے: لفظ میں الف اس اعتبار سے آتا ہے کہ اس میں علمی طور پر حقیقی ملکیت کا اظہار ہوتا ہے یا سفلی امور کا بیان ہوتا ہے۔اس صورت میں الف قائم رکھا جاتا ہے۔اس کا استعمال دو الفاظ ''القرآن'' اور ''الکتاب'' میں ہم مشاہدہ کر سکتے ہیں۔اللہ فرماتا ہے ﴿ الَر كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ ﴾ (ہود ۲) ﴿ كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآناً عَرَبِيّاً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُون ﴾ (حٰم سجدہ ۴)، ﴿ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴾ (القیامہ ۱۸)۔قرآن تو ان آیات کی تفصیل بیان کرتا ہے جو کتاب میں محکم کی حیثیت میں ہیں اس لیے قرآن کا لفظ، کتاب کے لفظ کی نسبت فہم میں زیادہ آسان اور تنزیل میں ظاہر و باہر ہے۔اس لیے لفظِ 'قرآن' کے لکھنے میں تو الف قائم رکھا گیا ہے، جبکہ لفظِ 'کتٰب' کے لکھنے میں الف حذف کر دیا گیا ہے۔

ہاں کبھی لفظِ 'قرآن' کے لکھنے میں الف حذف بھی کیا جاتا ہے جبکہ یہ مفہوم کے اعتبار سے لفظِ 'کتاب' کا مترادف ہو جیسے: ﴿ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْءٰناً عَرَبِيّاً ﴾ (سورۃ یوسف:۳)، ﴿ إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْءٰناً عَرَبِيّاً ﴾ (الزخرف: ۴)۔ان دونوں مقامات پر ضمیر اس سے پہلے مذکور کتاب کی طرف عائد ہے۔اور دونوں جگہ بعد میں فرمایا ﴿ لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُون ﴾ پس قرینہ بتاتا ہے کہ لفظِ قرآن یہاں عقلی جہت سے اور کتاب کے معنوں میں ہی استعمال ہوا ہے اس لیے ان دونوں مقامات پر الف حذف کر دیا گیا ہے۔اسی طرح قرآنی رسم الخط میں، لفظِ کتاب کے لکھنے میں کبھی الف لکھا بھی جاتا ہے جبکہ یہ کسی خاص معنوں میں آئے ﴿ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ﴾ (الرعد:۳۹) یا قرآن کے بدل کے طور پر آئے جیسے ﴿ تِلْكَ آيَاتُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُّبِين ﴾ (النمل:۲)۔(ملخّص از البرہان فی علوم القرآن

جزءاول صفحہ ۳۸۰ تا ۳۹۰)

اظہارِعظمت کے لیے الف کے لکھنے میں واوکوشامل کرنا: ایسا چار اصولی اور جاری امور میں یا پھر چار کلمات میں جو(اثر کے اعتبار سے) غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں اختیار کیا گیا ہے۔چار اصولی اور جاری امور میں جیسے: ﴿**الصَّلٰوة**﴾، ﴿**الزكٰوة**﴾، ﴿**الحيٰوة**﴾، ﴿**الربٰوا**﴾ ۔چار بہت اہمیت کے حامل کلمات میں جیسے: ﴿**الغدٰوة**﴾، ﴿**مشكٰوة**﴾، ﴿**النجٰوة**﴾، ﴿**منٰوة**﴾۔ ان کلمات کواس طرح خاص انداز میں لکھنے سے انکی عظمت وشان کی طرف اشارہ مقصود ہے۔چنانچہ الصَّلٰوة،الزكٰوة تو اسلام کے دوستون ہیں،الحیٰوة زندگی کی اساس اور بقاء کی کنجی ہے۔اور الربٰوا کا ترک امان کی ضمانت ہے۔الغدٰوة(صبح کاوقت) زمانوں کی بنیاداور انسان کے معمولات کے آغاز کاوقت ہے،مشكٰوة(چراغ)ہدایت کی اساس اورولایت کی کنجی ہے،النجٰوة طاعت کی اساس اورسعادتوں کی کنجی ہے۔اور **منٰوة**(سرداربت) گمراہی کی اساس اور گمراہ کرنے اورشرک کے چنگل میں پھنسانے کا ذریعہ ہے۔

(ملخّص ازالبرہان فی علوم القرآن جزءاول صفحہ ۴۰۹،۴۱۰)

متنِ قرآن کی یہ مخصوص طرزِتحریراور کبھی ایک ہی لفظ کوکہیں ایک طرز پراور کہیں دوسری طرز پر لکھا جانا اوراس اختلاف میں گہری حکمتوں کا پایا جانا ثابت کرتا ہے کہ اس کی کتابت کا اللہ تعالیٰ نے خوداہتمام کروایا۔اور گویا اپنے حبیب ﷺ سے اپنا وعدہ **''اسکا جمع کرنا بھی ہمارے ذمّہ ہےاوراس کا دنیا کے سامنے سنانا بھی ہمارے ذمّہ ہے''**۔خوب خوب ایفاء کیا۔مندرجہ بالا پیراجات میں کلام الٰہی کے رسم الخط میں پرحکمت اعجاز کی انتہائی خفیف جھلک پیش کی گئی ہے۔علماء نے تواس موضوع پر بڑی ضخیم کتابیں لکھی ہیں۔

تلاوت میں آسانی پیدا کرنے کے اقدامات: اللہ تعالیٰ نے فرمایا''پس جب ہم اسے پڑھ لیا کریں تو ہمارے پڑھنے کے بعد تو بھی پڑھ لیا کر'' دوسری جگہ فرمایا﴿فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ﴾ (الدخان:

۵۹)سو،سن لے کہ ہم نے اس قرآن کو تیری زبان میں آسان کر کے اتارا ہے۔اس فرمان الٰہی کے مطابق اللہ کے پڑہائے سے رسول اللہ نے یہ کلام پڑھا اور عمدہ طور سے آگے سکھایا۔اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو عامۃ الناس کے لیے پڑھنا آسان بنانے کے لیے بھی سامان کرتا رہا۔جلیل القدر صحابہ بھی اسکی صحیح اور عمدہ تلفظ کے ساتھ تدریس کا اہتمام کرتے رہے۔متنِ قرآن کی قراءت کو عجمیوں اور کم پڑھے لکھے افراد کے لیے آسان بنانے کی خاطر اعراب اور تشکیل یعنی مختلف علامات کے ساتھ الفاظ کے تلفظ کو واضح کرنے کے اللہ نے سامان کر دیے۔کہتے ہیں والیِ بصرہ ’زیاد‘ نے ابوالاسود دؤلی کو متنِ قرآن کے اعراب اور تشکیل پر مأمور کیا۔اس کے لیے تیس ماہر کاتب مہیا کیے۔ابوالاسود نے ان میں سے بہترین ماہرِ فن کو پاس بٹھالیا اور کہا کہ جب تم دیکھو کہ میں نے کسی حرف کو ادا کرتے وقت منہ کھولا ہے تو اس کے اوپر ایک نقطہ ڈال دو، اگر منہ بند کرلوں تو حرف کے آگے نقطہ ڈال دو اور اگر میں اس کو کسرہ کی صورت میں پڑھوں تو نقطہ حرف کے نیچے ڈال دو۔(اردو دائرہ معارف زیرِ لفظ قرآن)خاکسار عرض کرتا ہے کہ حرکات میں سے جسے ہم زبر کہتے ہیں اسے عربی میں فتحہ (ـَ) کہتے ہیں، اس لفظ میں کھولنے کے معنیٰ ہیں۔مندرجہ بالا حوالے کے مطابق ابوالاسود نے کاتب کو یہ کہا کہ ’’کسی حرف کو ادا کرتے وقت منہ کھولوں‘‘ تو اسکے اوپر نقطہ لگاؤ۔جس حرکت کو ہم پیش کہتے ہیں اسے عربی میں ضمّہ (ـُ) کہتے ہیں، جسمیں بند کرنے کے معنیٰ ہیں، اسکے لیے ’’منہ بند کرلوں‘‘ کے الفاظ ہیں۔اور جس حرکت کو ہم زیر کہتے ہیں اسے عربی میں کسرہ (ـِ) کہتے ہیں جس میں توڑنے کے معنی ہیں۔اسکے لیے ’’کسرہ کی صورت میں پڑھوں‘‘ کے الفاظ ہیں۔گویا حرف کی طرزِ ادا کو ظاہر کرنے کے لیے اوپر، آگے یا نیچے نقطہ تجویز کیا گیا تھا اسی کو ان حرکات کی شکل دے دی گئی تا نقطوں والے حروف سے اشتباہ نہ رہے۔اسی طرح دیگر علامات جیسے تشدید (ـّ)، سکون (ـْ)، تنوین (ـً، ـٌ، ـٍ)اور مدّ زائد (ـٓ) لائی گئیں۔یہ علامات ایسی نہیں ہیں جو کہ بعد میں آنے والوں نے مفروضہ قائم کر کے ایجاد کی ہوں۔بلکہ یہ اپنے ناموں میں وہ صفات رکھتی ہیں جو انکے حامل حروف میں پائی جاتی

ہیں ۔حرکات کے ناموں کی قبل ازیں وضاحت کردی گئی ہے۔تشدید کے معنیٰ مضبوط بنانے کے ہیں اور سکون کے معنیٰ ٹھہراؤ کے ہیں۔ان معانی کو ذہن میں رکھ کر ان علامات کے حامل حروف کو پڑھا جائے تو وہ درست اور بہت عمدگی سے ادا کیے جاسکتے ہیں۔اس وضاحت سے یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ اس بات سے کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ یہ علامات پہلے موجود نہیں تھیں بعد میں ایجاد کی گئیں اور گویا نعوذ باللہ متنِ قرآن میں کچھ اضافہ کردیا گیا۔ایسا ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔صفات کے اعتبار یہ پہلے سے مستعمل تھیں۔انہیں صفات کو زبان سے ادا کرنے کے لیے یہ ظاہری شکلیں وضع کی گئیں۔اس لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ کس نے ایجاد کیں اور کب کیں۔خدا تعالیٰ نے روزِ اول سے اپنے کلام کی حفاظت، اسکا دلوں میں اتارنا، سینوں میں محفوظ کروانا اور اسکا تا قیامت پڑھنے پڑھانے کا انتظام کرنا اپنے ذمّہ لے رکھا ہے۔اس کے لیے انسانوں میں جس کو توفیق مل جائے اس کے لیے بڑی سعادت کی بات ہے۔اللہ جلّ شانہ کے حضور التجاء ہے کہ وہ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس کے حبیب محمدﷺ کی سچی اتبّاع، اسکے پیارے مہدی کی جاری کردہ ہدایت اور خلافت کی اطاعت میں رہتے ہوئے اس عظیم کلام کو محبت کے ساتھ پڑھنے والے اور اسکے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہونے والے ہوں۔

آمین اللّٰھمّ آمین

مقابلہء حسنِ قراءت میں جانچ کے اصول صحتِ تلفّظ ، حسنِ اداء، خوش الحانی۔

ا:**صحتِ تلفّظ** :صحتِ تلفظ کی جانچ کے لیے درجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھا جائے : مخارج و صفاتِ حروف، ترقیق و تفخیم (یعنی حروف کو کیفیتِ ادا کے لحاظ سے باریک یا موٹا ادا کرنا)، ساکن حروف کی ادا میں اظہار و اخفاء، قلقلہ ،نرمی یا مضبوطی ،مشدّ د حروف کی ادا میں سرعت یا تراخی ،آواز میں حسبِ موقع قصر (یعنی چھوٹا پڑھنا) یا مدّ وغیرہ۔

۲: **حسنِ اداء**:یعنی یہ کہ تلاوت کرنے والا صحتِ تلفظ اور پڑھنے میں روانی پیدا کرنے والے قواعد کس حد تک عمدگی اور مہارت کے ساتھ استعمال میں لاتا ہے۔ صحتِ تلفّظ کے قواعد کا استعمال کس حد تک طبعی ہے اور تکلّف تصنع اور بناوٹ سے مبرّاء اور پاک ہے۔

۳: **خوش الحانی**:مقابلہء تلاوت میں جانچ کے حوالہ سے تیسرا پہلو تلاوت میں سُر ،ترنّم اور نغمگی ہے۔بعض لوگ خاصی محنت کے بعد تلفظ تو درست کر لیتے ہیں اور قواعد کو صحیح استعمال میں لاتے ہوئے پڑھنے میں سلاست اور روانی بھی پیدا کر لیتے ہیں،مگر انکی آواز میں خوبصورت لے اور سرنہیں ہوتا۔مقابلہء تلاوت میں جانچ کے تیسرے پہلو''خوش الحانی''میں تلفّظ کی درستی اور تجوید کے عمومی قواعد کے اطلاق کے ساتھ ساتھ اس امر کا خصوصی طور پر جائزہ لینا ہوتا ہے کہ آواز میں خوبصورتی ،اتار چڑھاؤ اور عبارت میں موجود مضمون کے مفہوم کے مطابق کیفیاتِ ادا میں کس حد تک مہارت جھلکتی ہے (عبارت کے مفہوم کو بھی مدّ نظر رکھا جائے یہ کلام پاک کی تلاوت کا اہم تقاضا ہے)۔نیز یہ کہ تلاوت میں عمومی طور پر جاذبیت اور کشش موجود ہے!

العاجز

حافظ برہان محمد خان

صدر شعبہ قرآن جامعہ احمدیہ جونئیر سیکشن ربوہ